شوق نیموی

بہار اردو اکادمی، پٹنہ

شوق نیموی

ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن

بہار اردو اکادمی، پٹنہ

نام کتاب	:	شوق نیموی
مرتب	:	ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن
سال اشاعت	:	۲۰۰۶ء
تعداد اشاعت	:	۵۰۰
کمپوزنگ	:	ڈی ٹی پی کمپیوٹرس، کاظمی بیگم کمپاؤنڈ گذری، پٹنہ سیٹی-۸۰۰۰۰۸
طباعت	:	کراؤن آفسٹ، سبزی باغ، پٹنہ
قیمت	:	-/۴۰ روپے

Title: **Shauque Neemvi**
By : **Dr.Md.Ateequr Rahman**
Publisher : **Bihar urdu Acadmi, Patna**
Year of Pub. : **2006**
Price : **Rs.40/=**

فہرست عنوانات

حرف آغاز

شوق نیموی نہ صرف یہ کہ ایک اہم شاعر تھے بلکہ تحقیق میں وہ یگانہ روزگار تھے۔ ان کی کتاب ''ایضاح'' معرکۂ ادب کی ایک اہم تنقید ہے۔ ادب کے علاوہ اسلامیات کے باب میں بھی آپ کی تصنیفات اہم ہیں۔ آج بھی مدارس میں آپ کی کتابیں درسیات میں شامل ہیں۔ آپ کے علم کا ایسا شہرہ تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسی اہم شخصیت نے آپ سے مشورۂ سخن کیا تھا۔ شوق نیموی کی غزل کا یہ مشہور مطلع مقبول خاص و عام ہے:

دل شوق حسینوں سے لگانا نہیں اچھا　　ہوجاؤ گے بدنام زمانہ نہیں اچھا

شوق کی نظم ''سوز و گداز'' بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔

یہ مختصر سی کتاب ایک تعارف ہے۔ آپ کے علم بے کراں کو چھوٹی کتاب میں پرونا مشکل ہے۔ توقع ہے کہ نصابی ضرورتوں کی تکمیل کی راہ میں یہ معاون ہوگی اور محبان اردو کے لئے مفید ہوگی

اگست ۲۰۰۶ء

شکیب ایاز
سکریٹری

شوق نیموی

خاندانی حالات :۔ شوق نیموی کا خاندان نیمی کا باشندہ تھا۔ جو شرافت، سخاوت، علم دوستی دینداری اور وضع داری کے لئے مشہور تھا۔ ان کے جدامجد کا نام شیخ دھومن تھا۔ جو نہایت اخلاق مند، غریب پرور، مالدار اور بہادر تھے۔ وہ موضع برڈیہہ میں ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے ۔ ستودہ اخلاص تاریخ ولادت ہے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت وہیں ہوئی ۔ بی بی میدن سے ان کا نکاح ہوا۔ جو شیخ اکبر علی نیموی کی صاحب زادی تھیں ۔ شیخ دھومن کے چار لڑکے تھے ۔ شیخ سبحان علی، شیخ شجاعت علی، شیخ سعادت علی، شیخ سخاوت ملی ۔ ان میں سب سے بڑے شیخ سبحان علی تھے، جو علامہ شوق نیموی کے والدمحترم تھے ۔ یہ چاروں افراد علم دوست اور اپنے علاقے میں معررف تھے[۱]۔

والدمحترم :۔ شیخ سبحان علی ۱۲۲۱ھج/۱۸۰۶ء میں نیمی میں پیدا ہوئے ۔ صاف خمیر تاریخ ولادت ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت وہیں شروع ہوئی ۔ جوان ہوئے تو مولانا محمد فصیح غازی پور جیسے متبحر عالم وصوفی کی صحبت نصیب ہوئی ۔ اوران سے بیعت کی۔ دینی علوم وفنون سے خاص دلچسپی تھی ۔ زیادہ تر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گذارتے ۔ طبقہ علماء سے بھی گہری وابستگی تھی اس لئے ان کی صحبتوں اور مجلسوں میں بیٹھنا زیادہ پسند کرتے ، اس وقت کے مشہور عالم دین مولانا محمد ابراہیم نگرنہسوی سے ان کے نہایت گہرے تعلقات تھے۔ مولانا ابراہیم بھی نہایت شفقت ومحبت سے پیش آتے اوران کی قدر کرتے تھے۔ ان کے علمی ذوق کا یہ حال تھا کہ کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے پاس جمع کرتے یا دوسروں سے لکھوا کر ان کی حفاظت کرتے اور مطالعہ فرماتے تھے۔ شوق نیموی نے لکھا ہے کہ شاہ نامہ فردوسی جلد سوم،

دیوان حافظ، قصہ حاتم طائی اور دیوان جوشش جیسی اہم کتابیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے نقل کی تھیں۔ جو شوق نیموی کے کتابخانے میں محفوظ تھیں[۲]۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس قدر علم دوست تھے۔ شیخ سبحان علی ۱۲۹۶/۱۸۷۸ء میں یکا یک لقوہ کے مرض میں مبتلا ہوئے۔ لاکھ علاج ہوا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بالآخر دو ایک روز بعد اسی حال میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اور حضرت بخشن شہید کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ علامہ شوق نیموی اس حادثے سے نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے ان کے انتقال پر تین تاریخ قطعات کہے۔ ایک قطعہ یہ ہے۔

حسرتا شد انتقال والد مرحوم من
رحمت حق باد نازل بر مزارش دمبدم
بود روز پنج شنبہ ازمہہ ذی الحجہ آہ
روز عیشم شد سیہ ازظلمت شام الم
خواستم تاریخ فوت آنجناب پاک ذات
تاکنم بر صفحہ لوح دل محزوں رقم
عندلیب فکر شوق بے نواشد نعرہ زن
عیسوی تاریخ فوتش داخل باغ ارم[۳]

ولادت، نام تخلص :۔ شوق نیموی [۴]/جمادی اولی بروز بدھ ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۰ء صالح پور ضلع پٹنہ میں اپنی خالہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ محمد ظہیر احسن نام رکھا گیا۔ ابو الخیر کنیت اور ظہیر الاسلام تاریخی نام قرار پایا۔ شوق نیموی نے اپنی ولادت اور تاریخی نام کے بارے میں خود ہی ایک رباعی کہا ہے جس میں اپنے تخلص شوق کا استعمال کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

شوق است تخلصم ظہیر احسن نام
در قریہ دلنواز نیمی است مقام

شداز پے کنیتم ابوالخیر الہام
تاریخ تولدم ظہیر الاسلام ہے
۱۲۷۸ھ

سلسلہ نسب :۔ شوق نیموی کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک جگہ اپنا سلسلہ نسب خود ہی اس طرح تحریر کیا ہے:۔

محمد ظہیر احسن بن سبحان علی بن شیخ دھومن بن شیخ فتح علی بن شیخ محمد وزیر بن شیخ محمد ولی بن شیخ غلام بد بن رشیخ عبدالھادی بن شیخ نصیر بن شیخ محمد صالح بن...بن شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ عبداللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ حضرت محمد زاہد قدس سرہ بن شیخ محمد عابد صدیقی بن شیخ اسمٰعیل بن شیخ ابراہیم بن عبدالسلام بن عبدالغفار بن عبدالرزاق بن عبدالعزیز بن عثمان بن سالم بن سعید بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عبد الحمید بن جعفر بن یحیٰ بن عبداللہ بن عیسی بن خلیل بن عاصم بن قاسم بن عبدالرحمٰن بن علی بن قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنھم ؁۵

ابتدائی تعلیم وتربیت :۔ شوق نیموی کا گھرانا تعلیم یافتہ تھا، اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہوئی۔ پانچ چھ برس کے ہوئے تو مکتب میں داخل کرائے گئے۔ جہاں انہوں نے کئی اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی وہ نہایت ذہین، سلیم الطبع، اور مہذب تھے۔ اس لئے تمام اساتذہ ان سے پیار کرتے اور بڑے خلوص ومحبت سے ان کی تعلیم وتربیت کرتے تھے۔

شعری ذوق :۔ شوق نیموی فطرتاً شاعر تھے۔ وہ بچپن ہی سے اشعار موزوں کر لیتے اور کبھی کبھی فی البدیہہ اشعار کہہ کر لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ اردو، فارسی، عربی کے سینکڑوں اشعار انہیں زبانی یاد تھے۔ بیت بازی کا بڑا شوق تھا اس لئے ایسی محفلوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور ہر محفل میں کامیابی سے ہم کنار ہوتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ جہاں انہیں دوسروں کے اشعار یاد نہیں آتے وہاں خود فی البدیہہ اشعار کہہ کر پیش کر دیتے جس سے سننے

والوں کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ اشعار خود ان کے ہیں۔ اس واقعہ کو انہوں نے یادگار وطن میں ایک جگہ خود ہی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

''لڑکپن ہی میں خدا نے طبیعت ایسی موزوں بنائی تھی کہ جب میں گلستاں ہی پڑھتا تھا توفی البدیہہ شعر موزوں کر لیتا تھا'' ان میں غلطیاں تو ضرور ہوں گی مگر ایسی نہ تھیں کہ غیر شاعر کوئی تمیز کر سکتا۔

والد مرحوم نے بیت بازی کے لئے بہ ترتیب حروف تہجی اساتذہ کے بہت سے اشعار جمع کر دیئے تھے۔ جن کے آخر میں راء مہملہ تھی۔ اور وہ اشعار مجھے یاد کرا دیئے تھے۔ میں جب کسی برات کے ساتھ غیر بستی میں جاتا اور وہاں کے لڑکے بیت بازی کے لئے پہنچتے اور بیت بازیاں شروع ہوتیں تو میں وہی رائے مہملہ والے اشعار پڑھتا جن کے جواب میں ان کا قافیہ تنگ ہو جاتا۔ بار ہا ایسا بھی ہوا کہ حریف کو بھی کسی خاص حرف کے اشعار بہت یاد تھے۔ جن سے مجھ کو دقت پڑتی۔ مگر جب استاد کا کوئی شعر یاد نہیں آتا تو نظم کر کے جواب دے دیتا۔ اون بیچاروں کو وہم تک نہ ہوتا کہ یہ شعر اس کا طبع زاد ہے۔ کہاں تک جواب دیتے۔ آخر مات کھا جاتے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ بیت بازی کے معرکے میں کبھی بھی کسی سے مات نہیں ہوا۔[۶]

پٹنہ اور غازی پور میں:- فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد شوق نیموی نے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ تا کہ مزید علوم وفنون سے مستفید ہوسکیں۔ اس غرض سے پہلے وہ پٹنہ پہنچے اور شمس العلما، مولانا محمد سعید حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۶ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا حسرت عظیم آبادی نے ان کی کافی عزت افزائی کی۔ اور اپنے ہونہار شاگرد کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ شوق نیموی وہاں کئی سال سکونت پذیر رہے۔ اس دوران میں انہوں نے کچھ کتابیں مولانا حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۶ء)

سے پڑھیں اور کچھ کتابیں دوسرے اساتذہ سے۔ اس کے بعد غازی پور چلے گئے۔ جہاں مولانا مفتی محمد فرنگی محلی (م ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) نے مدرسہ چشمۂ رحمت قائم کیا تھا۔ اور پورے ملک میں ان کے علم وفضل کا شہرہ تھا۔ شوق نیموی نے دوچار روز ان کے ہاں قیام کیا اور پھر ان کی ہدایت پر ان کے مدرسہ میں داخلہ لے لیا۔ حسن اتفاق کی بات ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے دو مزید معروف عالم اس مدرسے میں درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ایک مولانا حافظ عبداللہ (م ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء) اور دوسرے مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی (م ۱۳۳۴/۱۹۱۵ء)۔ شوق نیموی نے ان تینوں باکمال علماء سے بھرپور استفادہ کیا۔

شمشاد لکھنوی کی شاگردی :۔ شمشاد لکھنوی (۱۳۳۴/۱۹۱۵) ہندوستان کے جید عالم ہونے کے علاوہ اردو دنیا کے مشہور شاعر بھی تھے شوق نیموی نے مدرسہ چشمۂ رحمت کے زمانۂ قیام میں دینی علوم کے حصول کے ساتھ ساتھ شعری وادبی کتب کا مطالعہ شروع کردیا تھا۔ اور باضابطہ طور پر شعر وشاعری کرنے لگے تھے اسی زمانے میں ت غازی پور میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا جس کی طرح یہ تھی جامۂ ہستی میرے تن پر بہت بوسیدہ ہے

شوق نیموی کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس زمین میں ایک غزل کہی جو ان کی سب سے پہلی غزل تھی۔

غزل یہ تھی۔

سوز غم سے آبلہ اپنا دل تفیدہ ہے — اور سارا جسم شکل موئے آتش دیدہ ہے
کارگر کیا مرہم کافور ہو اے چارہ گر — زخم دل شوق محبت سے نمک پاریدہ ہے
قدر نیلم کیوں نہ ہو جائے خزف پاروں سے کم — جس کو دیکھو محو دنداں مسی مالیدہ ہے
کردیا ہے آتش فرقت نے کس کس کو کباب — چشم ہے گریاں تو بریاں یہ دل آزردہ ہے
تاب دیدار جمال یار ہی مجھ میں نہیں — وصل کا سودا عبث سر میں مرے چکیدہ ہے
مثل سنبل ایک الجھن میں پڑا رہتا ہوں میں — جب سے میرا دل اسیر کاکل ژولیدہ ہے

گلشن رخسار جاناں میں نہیں خط جلوہ گر　　صورت سبزہ نگاہ عاشقاں روئیدہ ہے
موسم گل ہے اکڑتے ہیں جوانان چمن　　آہ محبوس قفس اک بلبل شوریدہ ہے
کر تجسس گوہر مقصود مل جائیں گے شوق
دل کے ویرانے میں گنج معرفت پوشیدہ ہے

انہوں نے یہ غزل پہلے اپنے احباب کو سنائی۔ جنھوں نے اسکی نہایت تعریف کی۔ اور مشاعرہ میں پڑھنے کی صلاح دی لیکن انہوں نے چونکہ اس وقت تک کسی استاد کو اپنا کلام نہیں دکھایا تھا اور نہ اصلاح لی تھی۔ اس لئے معذرت کی اور اصلاح کے بغیر اپنی غزل سنانا مناسب نہیں سمجھا۔ محمد شفیع موجؔ نے شمشاد لکھنوی م (م۱۳۳۴/۱۹۱۵ء) سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہیں کے مشورے پر شوق نیموی اپنی یہ غزل لیکر شمشاد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اصلاح کی درخواست کی۔ شمشاد لکھنوی نے کمال شفقت کے ساتھ ان کی غزل دیکھی اور اسی دن سے وہ شعر گوئی میں شمشاد لکھنوی (م۱۳۳۴/۱۹۱۵) کے باضابطہ شاگرد ہو گئے۔

حسن اتفاق سے ۱۵/شوال ۱۲۹۶ھ /۱۸۷۸ء کی شام میں وہاں ایک مشاعرہ ہوا جس میں شوق نیموی نے مذکورہ غزل پڑی۔ غزل اچھی اور موثر تھی۔ اس لئے تمام سامعین نے داد دی۔ خود ان کے استاد شمشاد لکھنوی نے کھل کر تعریف کی۔

اسی زمانہ قیام میں شوق نیموی نے اپنے استاد شمشاد لکھنوی سے سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی، قصائد خاقانی اور حدائق البلاغت کا درس حاصل کیا۔

ادبی ذوق مطالعہ :- شوق نیموی بچپن سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے۔ غازی پور پہنچے تو یہ ذوق اور دوبالا ہو گیا۔ نامور اساتذہ کی محبت اور علمی وادبی ماحول نے ان کے ذوق مطالعہ کو مزید پروان چڑھنے کا موقع دیا۔ خاص طور پر شمشاد لکھنوی (م۱۳۳۴/۱۹۱۵ء) کی صحبت نصیب ہوئی تو درسی کتابوں کے علاوہ اردو شعر وادب کی کتابیں بکثرت ان کے مطالعہ میں رہنے لگیں۔ اردو، فارسی، عربی کی جو کتاب ان کے ہاتھ لگ جاتی، اسے ختم یں کر کے دم

لیتے۔ دن میں تو کتب بینی ہوتی ہی تھی رات تک کتابیں پڑھتے رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم میں پختگی، فکر میں وسعت اور شعر وشاعری میں دلچسپی زیادہ ہونے لگی۔ ہر ہفتہ ایک آدھ غزل موزوں کرنے لگے۔ اور شمشاد لکھنوی (م ۱۳۳۴/۱۹۱۵ء) سے اصلاح لینے لگے۔ رفتہ رفتہ طبیعت کافی موزوں ہوگئی۔ اور خوبصورت اشعار کہنے کا ذوق پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اس کا اظہار ایک جگہ خود ہی اس طرح کرتے ہیں۔

''پھر یہ حالت رہی کہ کتب عربیہ کے درس وتدریس سے جب کچھ مہلت ملتی تو شعر گوئی کی طرف متوجہ ہوتا۔ ہفتے میں ایک آدھ غزل ضرور کہتا۔ اور اصلاح لیتا۔ حضرت اوستاد جو کچھ ارشاد فرماتے محفوظ کر لیتا۔ اور فن شاعری کے متعلق جو کتاب نظر سے گذرتی۔ اس کو بالاستیعاب دیکھ جاتا۔ اس زمانے میں جس قدر میں نے محنت کی ہے میرا ہی دل جانتا ہے۔ اور لطف یہ کہ حضرت شمشاد سے میں نے فارسی بھی شروع کردی سہ نثر ظہوری، قصائد عرفی، قصائد خاقانی، حدائق البلاغت ان سے پڑھنے کا اتفاق ہوا غرض کہ عربی وفارسی کی تحصیل میں نظم ونثر اردو کی مشق میں ہمہ تن مصروف ہوگیا۔ اکثر بارہ بجے رات تک اور کبھی دو ایک بجے تک کتابیں دیکھا کرتا۸۔

دوسری غزل :- شوق نیموی نے جب پہلی غزل مشاعرے میں پڑھ لی اور داد تحسین حاصل کرلی تو ان کا حوصلہ کافی بڑھ گیا۔ ان میں خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ اور مزید مشاعروں میں شرکت کرنے کا جذبہ ابھرا چنانچہ مذکورہ مشاعرہ کے دو تین مہینے بعد جب ایک دوسرا طرحی مشاعرہ وہاں منعقد ہوا تو شوق نیموی نے اس میں شرکت کرنے کا ارادہ کیا۔ طرح یہ تھی۔

آباد کبھی گوشۂ ویران دل تھا

اس زمین میں شوق نیموی نے غزل کہی اور اپنے استاد شمشا لکھنوی سے اصلاح

لینے کے بعد شریک مشاعرہ ہوئے۔

غزل یہ تھی ؎

وہ پردہ نشیں جلوہ گرخانہ دل تھا آباد کبھی گوشۂ ویرانہ دل تھا
دم بھر نہ شب وصل زباں اپنی ہوئی بند کچھ اپنی کہانی تھی کچھ افسانہ دل تھا
کیوں کرنہ ادبلتامیں سرمحفل جاناں لبریز ہے عشق سے پیمانہ دل تھا
سمجھے تھے جسے شمع افروز وہ تم تھے جوجان سے تھا صدقے وہ پروانہ دل تھا
آنکھوں میں بھرآئے کسی بے دید کے آنسو پردرد یہاں تک مر اافسانہ دل تھا
جو بات کہی تم نے وہ پتھر سے تھی بھاری توڑا جسے وہ گوہر یک دانۂ دل تھا

کیوں چاروں طرف شوق پریشان رہے تم
مطلوب تو رونق وہ کاشانہ دل تھا

جب یہ غزل پڑھی گئی تو شرکاء مشاعرہ نے اس کو نہایت پسند کیا اور شوق نیموی کی غزل گوئی کی بہت زیادہ تعریف کی

مشاعرہ کرنے کا ذوق :-اس مشاعرہ کے بعد ایک مدت تک غازی پور میں مشاعرہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن شعری وادبی حلقوں میں شوق نیموی متعارف ہو چکے تھے۔ اور مشاعرے کی ضرورت محسوس کررہے تھے اس لئے انہوں نے خود ہی مشاعرے منعقد کرنا شروع کئے۔ انہوں نے کئی مشاعرے کئے۔ یہ مشاعرے محلّہ چہل ستون میں منعقد ہوا۔اس کی طرح یہ تھی۔

ذرا انصاف او صیاد کرنا

اس مشاعرہ میں شہر کے نامی گرامی شعرا شریک ہوئے۔شوق نیموی نے اس زمین میں جو غزل کہی اور شریک مشاعرہ ہوئے وہ غزل یہ تھی ؎

کچھ اگلے عہد وپیمان یاد کرنا پھر اے بیداد گر بیداد کرنا
تمہارے ہی تصور کا یہ گھر ہے سمجھ کر دل مرا برباد کرنا

برنگ غنچہ گوصد چاک ہے دل نہیں آتا مگر فریاد کرنا
شب ہجر اے خیال دل ربا تو تسلی دل ناشاد کرنا
رہے کچھ دیر تک دیدار قاتل کمی اسے خنجر فولاد کرنا
یہ گستاخی معاف اے بندہ پرور کہاں سیکھا ہے یہ بیداد کرنا
لب نے سیکھ لئے ہم دل جلوں سے ہجوم درد میں فریاد کرنا
رہے گلزار تو ہم قفس میں ذرا انصاف او صیاد کرنا
ہمیں بھی یاد کرلینا پس مرگ جو غیروں پر بیداد کرنا
چلے آنا سوئے ویرانہ دل جو ہو منظور اسے آباد کرنا
مزاج انکا بہت نازک ہے اے شوق
سمجھ کر نالہ و فریاد کرنا ۹

تسلیم لکھنوی کی شاگردی :- غازی پور کے زمانہ طالب علمی میں تسلیم لکھنوی (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) کی ایک مثنوی ''شام غریباں'' شوق نیموی کی نظر سے گذری۔ اس کے دلکش اسلوب بیان اور خوبصورت طرز ادا سے وہ نہایت متاثر ہوئے۔ اسی زمانے میں ان کی کلیات انہیں دستیاب ہوئی۔ جس کا انہوں نے بڑے انہماک اور ذوق وشوق سے مطالعہ کیا۔ اور تسلیم لکھنوی (م ۱۹۱۱/۱۳۲۹) کی استادی اور ان کی شعری وادبی خوبیوں کے قائل ہو گئے۔ اب ارادہ کیا کہ ان کے حلقہ تلمذ میں داخل ہو جائیں۔ چنانچہ ان کا پتہ معلوم کر کے اپنی چند غزلیں اصلاح کے لئے ان کی خدمت میں بھیجیں۔ تسلیم لکھنوی نے ان کی غزلیں دیکھیں اور جابجا اصلاح کر کے انہیں واپس کردیں۔ اس طرح شوق نیموی تسلیم لکھنوی کے شاگردوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ۱۰

نکاح :- شوق نیموی ابھی غازی پور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ان کی شادی کا دن مقرر ہو گیا۔ وہ رخصت لیکر گھر آئے اور ۱۲/ جمادی الاخر ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء کو ان کے خالو شیخ بشارت علی کی بڑی صاحبزادی سے ان کا عقد ہو گیا۔ اس موقع کی مناسبت سے حسرت عظیم آبادی

(م۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) نے درج ذیل قطعہ تاریخ کہا جس سے استاد وشاگرد کی قربت ومحبت ظاہر ہوتی ہے۔

مشفقی مولوی ظہیر احسن — کتخدا گشت چوں بفضل خدا
سال تاریخ شد بروئے جمیل — ازدواج ظہیر احسن ما!!

لکھنؤ کا تعلیمی سفر:- شوق نیموی نے غازی پور میں کئی سال رہ کر وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کرلیا تو اب لکھنؤ جانے کا ارادہ کیا۔ کیوں کہ لکھنؤ اس زمانے میں علوم دینیہ اور شعر وادب کا گہوارہ تھا اور وہاں نامی گرامی علماء وشعرا وادبا موجود تھے۔ شوق نیموی ۱۳۰۰ھ کے کسی مہینہ میں گھر سے لکھنؤ کے لئے روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر ہندوستان کے جید عالم دین اور محدث مولانا عبدالحئ فرنگی محلی (م۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے کی اجازت چاہی۔ اجازت ملنے پر ان کے زیر نگرانی علوم دینیہ کے حصول میں پورے طور پر مصروف ہوگئے۔ اسکے علاوہ فن طبابت سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اس لئے وہاں کے مشہور زمانہ حکیم سید باقر حسین ساکن محلہ پاٹا نالہ سے طبابت کا علم حاصل کرنے لگے۔ تقریباً چار پانچ سال وہاں مقیم رہے اور پوری تندہی، یکسوئی اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ حصول علم میں مشغول رہے اور اکتساب فیض کرتے رہے، مولانا عبدالحئ فرنگی محلی کے تبحر علمی اور حدیث دانی سے خاص طور پر استفادہ کیا اور درسیات کی تکمیل کرکے پوری کامیابی کے ساتھ گھر واپس ہوئے۔

لکھنؤ کی ادبی سرگرمیاں:- شوق نیموی لکھنو میں گرچہ تحصیل علم میں ہمہ تن مصروف تھے۔ تاہم اردو شعروشاعری کا جو اعلیٰ مذاق غازی پور میں پیدا ہو چکا تھا وہ لکھنؤ جیسے علمی وادبی ماحول میں کم نہیں ہوا۔ بلکہ وہاں کے ادبی وشعری ماحول اور اساتذہ شعراء کی صحبت نے ان کے مذاق سخن میں مزید نازک خیالی، بلند پروازی اور معنی آفرینی پیدا کی یہی وجہ ہے کہ یہاں کے مشاعروں میں جب کبھی انہوں نے کوئی غزل پیش کی تو یہاں کے اہم شعرانے ان کی غزل گوئی کی تعریف کی۔ اوران کی علمی وادبی لیاقت کو سراہا۔ شوق نیموی کی

قادر الکلامی اور مقبولیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار فصاحت لکھنوی کے کسی شاگرد نے بڑی دھوم دھام سے ایک طرحی مشاعرہ منعقد کیا۔ جس میں لکھنؤ کے نامور شعرا مدعو کیے گئے۔ خنداں کا ایمان کا کی زمین تھی۔ شوق نیموی نے بھی اس زمین میں ایک طویل غزل کہی اور پیام یار کے ناظم اجناب نثار کے ساتھ شریک مشاعرہ ہوئے۔ غزل یہ تھی۔

جنوں میں ایک دن ڈنکا لیجے گا جوش ایمان کا
ہے الااللہ آوازہ مرے چاک گریباں کا
ورق مجکو جو ہاتھ آجائے خورشید درخشاں کا
تو لکھوں وصف روئے یا کہ کچھ محبوب یزداں کا
کوئی پیغام لائی ہے مقرر حو روغلماں کا
نسیم خلد رستا پوچھتی ہے کوئے جاناں کا
خیال میں نہ پھر آیا جو نکلی روح قالب سے
رہا ہو کر نہ دیکھا خواب بھی یوسف نے زنداں کا
لگی دل کی بھڑک اٹھی دہن تک شمع آتے ہیں
مرا جو دم ہے رشتہ ہے چراغ داغ پنہاں کا
نہ ہوں کیوں کر غبار دشت کا ممنون وحشت میں
جہاں کپڑے پھٹے اس نے تن عریاں وہیں ڈھانکا
کسی کا صانع کونین کھینچے گا مگر نقشہ
ورق سادہ پڑا ہے آج تک مہر درخشاں کا
ہنسے زخم جگر نام مداوا سن کے سینے میں
دیکھائی آنکھ آنسو نے جب آیا ذکر طوفاں کا
لبوں پر مل کے مسی کیا کروگے مات نیلم کو
کروگے پان کھا کر خوں کیا لعل بدخشاں کا

تجسس کررہے ہیں وہ مجھے کیسی ندامت ہو
کوئی ٹکڑا نکل آئے اگر لینے میں پیکاں کا
وہ محروم مداوا ہوں گل صد چاک کی صورت
نہ دیکھا منہہ کبھی زخم جگر نے میرے درماں کا
گری بجلی غضب کی پرتو رخسارروشن سے
جو وہ پردہ نشیں کل روزن دیوار سے جھانکا
ہزاروں بلبلیں کیوں دامن گلچیں سے لپٹی ہیں
چراکر لے چلا ہے کیا کوئی پتا گلستاں کا
خیال دشت گردی گور میں طرفہ تماشا ہے
کفن شاید ملا ہے مجکو دامان بیاباں کا
وہاں جوش جنوں میں آج کل سرگرم جولاں ہوں
ہے یہ آسماں بھی اک بگولہ جس بیاباں کا
بسر کرتا ہوں مثل نخل شعلہ باغ عالم میں
نہ بے مزگی کامیں شاکی ستایش گر نہ ساماں کا
خدا جانے کہاں دشت جنوں نے پھاڑ کر پھینکا
گریباں کا پتا پایا نشاں ابتک نہ داماں کا
کسی پردہ نشیں کے عشق میں کپڑے جو پھاڑے ہیں
تو چلمن کی طرح عالم ہے ہر چاک گریباں کا
عجب شاداب ہے لاکھوں گل زخم اس میں کھلتے ہیں
نہال دل مرا سینچاہوا ہے آب پیکاں کا
ہزاروں غول صحرائی میں مجھ وحشی کی تربت پر
دکھا یا جذبہ وحشت نے اک عالم چراغاں کا

برنگ قد شعلہ پیر ہن سے عار ہے مجھ کو
نہ دامن کا پشیماں میں نہ شرمندہ گریباں کا
توقع نفع کی بے سود ہے ارباب رفعت سے
ملا ہے کس کو دانہ خرمن ماہ درخشاں کا
فروغ اس کی نہ قسمت میں نہ صبح اس کے مقدر میں
مگر روز سیہ اختر ہے گویا شام ہجراں کا
ہوئے ارباب محفل خوش خدا نے آبرو رکھ لی
کہ تھا شوق امتحاں اس دم تیرے طبع درافشاں کا

شوق نیموی نے جب یہ غزل پڑھی تو تمام سامعین نے کھل کر داد دی، اساتذہ شعرا بھی نہایت متاثر ہوئے کہ ایک طالب علم نے ایک خوبصورت اور دلکش غزل ان کے سامنے پیش کی۔ اس کے بعد لکھنؤ کے شعری وادبی حلقوں میں ان کے نام کا بڑا چرچا ہوا اور وہاں کافی مقبول ہو گئے۔

حسرت عظیم آبادی کی خدمت میں چار غزلیں:۔ اسی زمانہ میں شوق نیموی نے چار غزلیں کہیں اور پھر انہیں اپنے استاد حسرت عظیم آبادی (م۱۳۰۴/۱۸۸۶ء) کے ہاں اصلاح کے لئے بھیجیں۔ وہ چاروں غزلیں میری کتاب اور علامہ شوق نیموی۔ حیات وخدمات میں نقل کردی گئی ہیں تاہم یہاں صرف ایک غزل تحریر کی جاتی ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ وہ غزلیں کس معیار کی تھیں۔

تمہاری بے وفائی سے ہمارا دم نکلنا تھا — پشیماں ہو کے پھر تم کو کف افسوس ملنا تھا
کسی کو دیکھ کر قابو سے کب اے دل نکلنا تھا — بلا سے چوٹ کھائی تھی سر محفل سنبھلنا تھا
کہاں تک آنسوؤں کو ضبط کرتے تیری فرقت میں — مقدر میں تو چاہ خشک سے دریا ابلنا تھا
تمہارا جی بہلتا اور میری روح خوش ہوتی — کبھی تو میری تربت پر تمہیں آکر ٹھہلنا تھا
مرے آگے نہ کیوں وہ گرم جوشی غیر سے کرتے — کہ مجکو ان کی محفل میں برنگ شمع جلنا تھا

برایا وہ بھلا سمجھیں کہوں گا سنگدل ان کو | نہیں تو میری آہ گرم سے آخر پگھلنا تھا
عدو کے سینے پر ہاتھ آپ نے کس پیار سے رکھا | دل بیتاب کی قسمت میں دو دو ہاتھ اچھلنا تھا
حسینوں کو عبث تھا ناز اتنا اپنے جوبن پر | انہیں جب دو ہی دن میں دو پہر کی طرح ڈھلنا تھا
شب فرقت جو میں نے سرد آہیں بھول کر کھینچیں | ندامت مجکو ہونی تھی تمہارا جی دہلنا تھا
نہ کیوں وہ غیر کو لائے میرے بالیں پر | کسی کی جان جانی تھی کسی کا دم نکلنا تھا
رقیبوں پر تھی اشکو ہو گیا در دنہاں ظاہر | تمہیں کچھ ضبط کرنا تھا نہ یوں مجمع میں ڈھلنا تھا
نہ کیوں دل میں لگا تا آگ عشق کا کل پیچاں | ہماری آرزوؤں کو دھواں بن کر نکلتا تھا
جنازہ آج نکلا تھا ترے عاشق کا اے ظالم | تجھے منہدی لگا نا یا پس تا بوت چلنا تھا

سر محفل کہیں اے شوق تم نے راز کی باتیں
شراب معرفت پی کر نہ یوں تم کو ابلنا تھا ۱۲؎

اس ایک غزل سے آپ نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ شوق نیموی کی فکری بلندی، نازک خیالی اور بیان کی پختگی کس پایہ کی ہے۔ یہی حال ان کی دیگر تین غزلوں کا ہے۔ ان غزلوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی کہنہ مشق شاعر کا کلام ہوں جبکہ یہ ان کے اس وقت کی یادگار غزلیں ہیں جب وہ لکھنؤ میں محض طالب علم تھے۔ عمر صرف بائیس سال تھی۔ غزل گوئی کے میدان میں نیا نیا قدم رکھا تھا یعنی غزل گوئی کا دوسرا سال تھا۔ ان غزلوں کے دلچسپ، خوبصورت، فصیح و بلیغ اور معیاری ہونے کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ شوق نیموی زمانہ طالب علمی ہی میں لکھنؤ کے اچھے شعرا کی صف میں شمار ہونے کے لائق ہو گئے تھے اور ان میں اپنا اہم مقام بنا لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے ان غزلوں کو حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۶ء) کی خدمت میں اصلاح کے لئے بھیجیں تو وہ نہایت متاثر ہوئے اور ان کی شعری وادبی عظمت کے دل سے قائل ہو گئے۔

حسرت عظیم آبادی کا اظہار خیال:۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب انہوں نے ان غزلوں کو ملاحظہ کر لیا تو ایک خط کے

ذریعہ اپنے تاثرات کا نہایت والہانہ انداز میں اظہار کیا۔ وہ خط ملا خطہ کیجئے اور دیکھئے کہ ہندوستان کا ایک کہنہ مشق اور مستند شاعر شوق نیموی جیسے ہونہار اور نومشق شاعر کی ہمت افزائی اور اس کی شعری وادبی صلاحیت کا اعتراف کس طرح کر رہا ہے وہ خط فارسی زبان میں ہے۔ لکھتے ہیں۔

یگانہ زمن بلبل نغمہ سرائے شعر وسخن سلمہ اللہ ذوالمنن پس از سلام ممنون الاسلام وادعیہ وافیہ حصول مقصد ومرام واضح ضمیر محبت ارتسام باد کہ نامہ محبت طراز درقیمہ دل ازغم پرداز باغزل ہای آبدار درنثار بتاریخ چہارم ربیع الآخر بروز شنبہ گوئی گریباں ورود گردیدہ۔ دیدہ راکور وسیہ راسرور بخشیدہ۔

ذوقیکہ بدیدن کلام حلاوت انضمام آں عزیز نصیب ایں مستہام گردید خارج از شرح وبیان وبیروں از احاطہ تقریر قلم وزبان است۔ بندہ ہر چند ازکوچہ اشعار اردو نابلد ہستم لیکن ایں قدرمی تو انم گفت کہ لطف زبان وادابندی ونازک خیالی وتلاش مضامین ہمہ درایں اشعار فراہم آمدہ۔ آفریں برطبع وقادوذہن نقاد آن صاحب استعداد خدا دا باد کہ درایں کم عمری چندیں علوم وفنون حاصل کردند۔ وآنچہ دربارۂ دیوان پریشاں فقیر نوشتہ اند مقتضائے محبت ایشاں است، بالجملہ تمنائے راقم ہمیں است کہ آں دیوان ازاول تاآخر ازنظر آں عزیز بگذرد۔ وائے برجان سخن گر بسخندان نرسد۔

وایں خط ازکمال شغف خاطر باآں عزیز بدست خود نوشتہ ام فقط ۱۳۔

ترجمہ۔ یکتائے روزگار بلبل نغمہ سرائے شعر وسخن سلمہ اللہ

سلام ودعا کے بعد واضح ہو کہ آپ کا نامہ محبت طراز جو دل کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ خوبصورت اور دلکش غزلوں کے ساتھ بتاریخ ۴ ربیع الآخر بروز شنبہ موصول ہوا۔ اس نے آنکھوں کو روشنی اور دل کو سرمہ بخشا۔ آپ کے خوبصورت اور شیریں کلام کو پڑھ کر جو تاثر قائم ہوا وہ شرح وبیان سے خارج اور تقریر وتحریر کے احاطے سے باہر ہے۔ میں گرچہ اردو

شاعری کے کوچے سے نابلد ہوں تاہم اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ لطف زبان، ادابندی، نازک خیالی ان اشعار میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ آفریں ہو اس خداداد صاحب استعداد، تیز طبع، ذہن نقاد پر کہ اس نے اس کم عمری میں مختلف علوم وفنون کی تحصیل کی۔ آپ نے میرے دیوان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی محبت کا تقاضہ ہے۔ میری آرزو ہے کہ یہ دیوان از اول تا آخر آپ کی نظر سے گذر جائے۔ افسوس جان سخن گر بر کہ وہ سخن داں تک نہ پہنچے۔ میں نے یہ خط کمال شفقت سے جو آپ کے ساتھ ہے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

زمانہ طالب علمی کی اہم تصنیفات :۔ شوق نیموی طالب علم ہونے کے باوجود اپنی علمی وادبی لیاقت کی بنا پر اس لائق ہو گئے کہ وہ کوئی مستقل کتاب لکھیں۔ اور علم وادب کی خدمت کریں۔ چنانچہ ۱۳۰۳ھ /۱۸۸۵ء میں انہوں نے ایک پر درد مثنوی لکھی جس کا تاریخی نام نغمہ راز ہے، اس کے علاوہ ازاحۃ الاغلاط اور اصلاح نامی کتابیں تصنیف کیں۔ جو عربی وفارسی الفاظ کی تحقیق اور اردو زبان وبیان کی درستگی کے لئے نہایت مفید ہیں۔ یہ کتابیں بڑی انقلاب آفریں ثابت ہوئیں۔ کیوں کہ جب یہ چھپ کر منظر عام پر آئیں تو ایک طرف اہل علم کے ایک بڑے طبقےنے ان کی کافی تعریف کی اور ان کے علمی وادبی فضل وکمال کا اعتراف کیا تو دوسری طرف جلال لکھنوی جیسے معروف شاعر نے ان پر سخت تنقیدیں لکھیں۔ جنکی بنا پر ان کے اور شوق نیموی کے درمیان ادبی معرکہ چھڑ گیا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

نواب رام پور کے یہاں طلبی اور داغ دہلوی کی داد تحسین :۔ شوق نیموی نے ازاحۃ الاغلاط کا ایک مطبوعہ نسخہ نواب رام پور کلب علی خان (م ۱۳۰۴ھ /۱۸۸۷ء) کے یہاں بھیجا۔ جس کو پڑھ کر وہ نہایت خوش ہوئے۔ اور ازراہ قدر دانی وادب نوازی انہیں اپنے دربار میں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ شوق نیموی ان کے دربار میں حاضر ہوئے اور ان کی خدمت میں درج ذیل قصیدہ پیش کیا۔

وحشت زدہ ہوں بوئے گل تر سے زیادہ
مشکل ہے ٹھہرنا کہیں دم بھر سے زیادہ

تقدیر اوڑائے لئے پھرتی ہے شب وروز
ہر تار نفس ہے مجھے شہپر سے زیادہ

دن رات مجھے راہ طلب میں مری امید
سر گرم سفر رکھتی ہے صرصر سے زیادہ

ٹکراتا ہوں سر چار حد دہر میں دن رات
دنیا ہے مجھے خانہ بے درد سے زیادہ

غم سے ہے مرے نشہ شادی کو ترقی
خون جگری ہے مئے احمر سے زیادہ

نقش قدم مور ہوں ہر دم پئے پامال
ذرہ ہے مجھے چرخ ستم گر سے زیادہ

کیوں کر نہ رہوں سب سے الگ باغ جہاں میں
بے برگ وثمر ہوں میں صنوبر سے زیادہ

ہوں اشک چکیدہ نہیں جز خاک مجھے چین
ہے فرش زمیں بالش وبستر سے زیادہ

امید سے نادم دل ناکام تمنا
امید پریشاں دل مضطر سے زیادہ

پابندی زنجیر تعلق ہے مجھے تنگ
آزاد ہوں میں مرد قلندر سے زیادہ

دوری وطن باعث راحت ہے جہاں میں
میدان قیامت ہے مجھے گھر سے زیادہ

ہرچند کہ ہے تا بگلو چشمۂ حیوان
لیکن ہوں جگر تشنہ سکندر سے زیادہ

صد شکر کہ با اینہمہ ہر دم تہ گردوں
حاصل ہے تفاخر مجھے قیصر سے زیادہ

ایسے کا ثناخواں ہوں کہ اوصاف ہیں جس کے
وسعت گہ تخئیل سخن ور سے زیادہ

جمشید حشم ظل خدا کلب علی خاں
دارائے جہاں بخش سکندر سے زیادہ

دے آبرو ادنی کو جو وہ بحر سخاوت
شبنم کا ہر اک قطرہ ہو گوہر سے زیادہ

پھیرے سر منقاد اگر حکم سے اوس کے
دشمن کو گریباں ہو خنجر سے زیادہ

ہو معرکہ آرا تو صف فوج عدو کو
تنہا تہ خنجر کرے لشکر سے زیادہ

پیغام اجل ہے پئے دشمن غضب اوسکا
ہے چین جبیں تیغ دو پیکر سے زیادہ

بڑھ کر دم شمشیر زنی ترک فلک سے
آفاق ستاں خسر وخاور سے زیادہ

مشہور جہاں جود میں ہمت میں کرم میں
قوت میں شجاعت میں غضنفر سے زیادہ

دیکھے نگہ کم سے اگر جانب الماس
بے قدر زمانے میں ہو پتھر سے زیادہ

شیریں سخن ایسا کہ دم سحر بیانی
باتوں میں مزا قند مکرر سے زیادہ

ہر شمۂ ایوان فلک اوج ہے روشن
دن رات مہ و مہر منور سے زیادہ

گھر کرتی ہے آنکھوں میں مکانوں کی سپیدی — دیوار ہے محبوب سمن بر سے زیادہ
کیا اسپ سبک گام کی لکھوں میں ستائش — بے چین دل عاشق مضطر سے زیادہ
جانے میں خیال حکما آنے میں ادراک — ہر حال میں ہے اشہب صرصر سے زیادہ
پڑ جائے اگر عکس بلال سم تو سن — تابندہ ہر اک ذرہ ہوا اختر سے زیادہ
اعزاز و حشم اوس کی سخاوت کی بدولت — حامل ہے فقیروں کو تونگر سے زیادہ
دریا دلی اوس کی جو یہی ہے تو عجب کیا — ہو جائے بلند آب گہر سر سے زیادہ
اس دور میں رکھتا ہے ہر شخص بغل میں — اسباب طرب شیشہ وساغر سے زیادہ
مینائے مئے عیش ہے شادی کے دل خلق — ہرلب متبسم ہے گل تر سے زیادہ
کس درجہ ہے شوق رقم مدح شہنشاہ — لکھ جاتا ہے خامہ حد مسطر سے زیادہ
لکھوں میں اگر ایک صفت لاکھ کے بدلے — ہو جزو قصیدہ مرا دفتر سے زیادہ
اے شوق شب و روز پے حضرت ممدوح — کر عرض یہی خالق اکبر سے زیادہ
یارب مرے سلطان کو صحبت رہے حاصل — ہو عمر عطا خضر پیمبر سے زیادہ
ہو دیدۂ بدبیں کے لئے جنبش مژگاں — ہنگامہ نظر کاوش نشتر سے زیادہ
اقبال و حشم دیکھ کے حاسد تہہ افلاک — جلتے رہیں دن رات سمندر سے زیادہ

نواب کلب علی خاں (م ۱۳۰۴ / ۱۸۸۷ء) یہ قصیدہ سن کر نہایت متاثر ہوئے اور انعام واکرام سے انہیں سرفراز کیا۔ اس کے علاوہ نواب صاحب نے اپنے دربار سے منسلک رہنے کے لئے کہا لیکن شوق نیموی نے اپنی تعلیمی مصروفیت کی وجہ سے معذرت کرلی اور وہاں ہفتہ عشرہ رہ کر لکھنو واپس آگئے۔ چلتے وقت نواب صاحب نے معقول نقد رقوم سے نوازا اور سال میں دو ایک بار حاضری دینے کے لئے فرمائش کی۔ حضرت داغ دہلوی (م ۱۳۲۲ / ۱۹۰۵ء) اس دربار میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی یہ قصیدہ سنا اور نہایت تعریف کی۔[۱۴]

مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے بیعت: شوق نیموی نے مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (م ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۵ء) کی صوفیانہ عظمت و برتری، خدا ترسی اور علمی و دینی فضل و

کمال کا شہرہ پہلے ہی سے سن رکھا تھا۔ لکھنو پہنچے تو ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ لکھنو میں چند روز قیام کرنے کے بعد پہلے رام پور پہنچے اور اپنے استاد تسلیم لکھنوی (م ۱۳۲۹ / ۱۹۱۱ء) سے ملاقات کی۔ چند روز وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد گنج مراد آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔ جہاں مولانا فضل رحمٰن سے ملاقات کی اور بیعت ہوئے۔ ۱۵

تعلیم سے فراغت : شوق نیموی نے شعبان المعظم ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں علوم دینیہ کی تحصیل سے فراغت حاصل کی اور پٹنہ، غازی پور اور لکھنو کے اہم اساتذہ سے فیضیاب ہوکر مستقل طور پر گھر واپس ہوئے۔ ۱۶

فراغت کے بعد کی پہلی تصنیف : شوق نیموی اپنی چند گراں قدر تصنیفات کی وجہ سے زمانہ طالب علمی میں کافی مشہور ہوگئے تھے۔ ان کے زمانۂ قیام لکھنو میں جلال لکھنوی (م ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) نے شوق نیموی کی تصنیف ازاحۃ اغلاط کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جو ردتر دید کے نام سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ شوق نیموی کو لکھنو میں مل گیا تھا۔ لیکن چونکہ گھر آنے کے لئے رخصت سفر باندھ چکے تھے۔ اس لئے وہ رسالہ اپنے ساتھ گھر لیتے آئے اور گھر آنے کے بعد سب سے پہلے اس کا جواب لکھا۔ جو سرمۂ تحقیق کے نام سے شائع ہوا۔ تحقیق و تنقید کے لحاظ سے یہ رسالہ نہایت مفید اور عالمانہ تھا۔ اس لئے جلال لکھنوی (م ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) لاجواب ہوکر رہ گئے۔ اس پر تفصیلی گفتگو آگے آرہی ہے۔

درس و تدریس اور طبابت : نیمی میں کچھ دنوں تک قیام کرنے کے بعد شوق نیموی پٹنہ چلے گئے۔ اور وہیں محلہ سلطان گنج میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوگئے۔ ذریعہ معاش کے طور پر طبابت شروع کردی۔ لیکن چونکہ ان کا ذوق خالص علمی، دینی و ادبی تھا اس لئے طبابت کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگئے۔ وہ خاص طور پر قرآن، حدیث، فقہ، منطق و فلسفہ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی سے انہیں علوم وفنون کے درس دئے اور بڑے ذوق وشوق اور محنت سے پڑھاتے تھے۔ ۱۷

وعظ و نصیحت : وہ مسلمانوں کی بے دینی و بے راہ روی سے نہایت متاثر تھے۔ کیونکہ ان

کی اس طرح کی زندگی سے پورا ماحول بے دینی کا شکار ہو رہا تھا۔ اور کفر و الحاد کی فضا تیار ہو رہی تھی۔ مقامی مسجدوں میں روایتی طور پر صرف خطبے دیئے جاتے جن میں نہ بے دینی کے ماحول پر تبصرے ہوتے اور نہ اس کی اصلاح کی باتیں ہوتیں۔ اس کے لئے شوق نیموی نہایت فکر مند تھے۔ کیونکہ وہ اپنے دل میں دین کی تڑپ رکھتے اور مسلمانوں کے نہایت ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ اس لئے انہوں نے سلطان گنج کی مسجد میں ہر جمعہ کو وعظ کہنا شروع کیا۔ وعظ میں عام طور پر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے اور بڑے موثر و دلکش انداز میں قرآنی آیات کی توضیح وتشریح فرماتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر بیان کریں۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور اس دوران وہ دنیا سے چل بسے۔ ۱۸

اولاد : شوق نیموی نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی ان کی خالہ زاد بہن سے ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں ہوئی تھی۔ جن کا نام غالبًا مخدومن تھا۔ ان سے دو اولاد پیدا ہوئی تھی۔ ایک لڑکی جس کا نام معلوم نہ ہو سکا دوسرے مولانا عبدالرشید فوقانی۔ دوسری شادی ان کی چچازاد بہن سے ہوئی تھی جو بیوہ ہو چکی تھیں۔ ان کے بطن سے ایک لڑکا عبدالسلام نامی پیدا ہوا جو زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکا۔ اور انتقال کر گیا۔ ۱۹

عبدالرشید فوقانی : عبدالرشید فوقانی بقول شوق نیموی ۲۳ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء بمقام نیمی پیدا ہوئے۔ عبدالرشید نام رکھا گیا۔ تاریخی نام محمد مظفر، محمد ابوالمظفر اور ظفرالاسلام قرار پایا۔ ابتدائی تعلیم وتربیت گھر پر ہوئی۔ درسی کتابیں شوق نیموی سے پڑھیں۔ تکمیل درس کے بعد کبھی نیمی میں رہے کبھی پٹنہ میں پھر ۱۹۴۶ء کے ہندو مسلم فساد کے بعد پٹنہ میں مستقل طور پر اقامت پذیر ہو گئے۔

عبدالرشید فوقانی نہایت قناعت پسند، سادہ مزاج اور متواضع طبیعت تھے۔ وہ عام طور پر موٹیا کا معمولی کرتا اور تہہ بند استعمال کرتے۔ معمولی کھانا کھاتے اور فرش پر سوتے تھے۔ اکثر اوقات مسجد میں گزارتے۔ کتب بینی کا خاص ذوق تھا۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ

وقت تفسیر، حدیث، فقہ اور ادب کی کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرتے۔ تصنیف و تالیف کا خاص ذوق تھا۔ اس لئے مطالعہ کتب کے علاوہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ انہوں نے تقریباً گیارہ کتابیں لکھی ہیں۔ جو حدیث، فقہ اور عروض کے موضوع پر ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں: القول الحسن فی الرد علی ابکار المنن (عربی)، ضمیمہ وسیلۃ العقبیٰ (اردو)، تذکار الشوق (اردو)، نسب نامہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)، رباعی نامہ (اردو)، تعقبات فوقانی (اردو)۔

نثر کے علاوہ شعر و شاعری سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فوقانی تخلص کرتے تھے۔ نالۂ فوقانی اور افکار فوقانی ان کی منظوم کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ القول الحسن مطبوعہ نامی پریس لکھنو کے اخیر میں انہوں نے اپنی چار نظمیں تحریر کی ہیں۔ جن کے پڑھنے سے ان کی اعلیٰ شعر گوئی کی صلاحیت اور ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی وفات اپریل ۱۹۷۱ء میں پٹنہ میں ہوئی۔ محمد صالح باغ کالو خاں کے گھر ان کی نعش لائی گئی۔ تجہیز و تکفین کے بعد محلّہ شیخہ کا روضہ پٹنہ سیٹی میں مدفون ہوئے۔[۲۰]

شاگرد: شوق نیموی ہندوستان کے متبحر عالم دین اور عظیم شاعر تھے۔ وہ دینی تعلیم دیتے اور اصلاح شعر کرتے تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ ان کے تمام شاگردوں کی نہ تو فہرست دستیاب ہو سکی اور نہ ان کے حالات معلوم ہو سکے۔ دینی طلباء کا تو کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ شعر و سخن میں اصلاح لینے والے شاگردوں کا ایک طبقہ وہ ہے جو کبھی کبھار اصلاح لیتا اور شوق نیموی سے استفادہ کرتا تھا۔ اس کی صحیح تعداد کا بھی علم نہیں۔ ہاں جو طبقہ باضابطہ اصلاح لیتا اور صاحب دیوان تھا۔ ان کی تعداد شوق نیموی نے سترہ لکھی ہے اور ان کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں۔ جو یادگار وطن میں مذکور ہیں۔ اس سے قبل شوق نیموی نے ایک جگہ خود ہی لکھا ہے:

> ''احیاناً خدا جانے کتنے لوگوں نے مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ اور دوستانہ بعض اوقات دیوان کا دیوان بنظر اصلاح دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر جو لوگ

بحیثیت شاگردی آج تک اپنا کلام دکھاتے ہیں اور مجھ سے اصلاح لیا
کرتے ہیں اور اکثر ان میں صاحب دیوان ہیں۔ ان کے نام وغیرہ لکھے
جاتے ہیں۔''[۲۱]

انہوں نے اپنے جن شاگردوں کے نام و حالات تحریر کئے ہیں ان کے یہاں صرف نام لکھے جاتے ہیں۔ حالات ترک کئے جاتے ہیں کیونکہ اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔ نام یہ ہیں:

اخترؔ (حاجی پور، ضلع سلہٹ)، بسملؔ (چوہٹہ، پٹنہ)، بشیرؔ (بکا کوٹ ضلع بلیا)، تسطیرؔ (پورنیہ)، تفسیرؔ (پورنیہ)، خبیرؔ (قاضی بہیڑہ، دربھنگہ)، راغبؔ (بہار شریف)، شاغلؔ (چوہٹہ، پٹنہ)، شفقؔ (عماد پور، گیا)، طالبؔ (ملتان)، عرشیؔ (کرائے پرسرائے، پٹنہ)، کاملؔ (بارہ دری، بہار شریف)، کاہشؔ (امتھوا، گیا)، مائلؔ (لودی کٹرہ، پٹنہ)، مذاقؔ (گنپورہ، پٹنہ)، واصلؔ (کنگھیاٹول، پٹنہ)، واقفؔ (باری دری، بہار شریف)۔[۲۲]

اب ہم تین ایسے شعرا کے نام و مختصر حالات لکھتے ہیں جو شوق نیموی کے اہم شاگرد ہیں اور آسمان شعر و ادب پر تابندہ ستارہ بن کر چمکے ہیں اور جن کی شعری و ادبی ضیا پاشی سے پورا ہندوستان روشن رہا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد: مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۳۷۸ / ۱۹۵۸ء) ہندوستان کے معروف عالم دین، مفسر قرآن، مجاہد آزادی، ادیب و انشاپرداز اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم ہیں۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ ان کی ابتدائی غزلیں ارمغان بمبئی اور خدنگ نظر لکھنو میں چھپیں۔ نیرنگ عالم کے نام سے خود بھی ایک گلدستہ نکالا۔ اسی زمانے میں مضمون نگاری کا آغاز کیا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو کلکتہ سے ہفت روزہ الہلال نکالا۔ جس نے مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی خیالات و رجحانات میں انقلاب عظیم پیدا کیا۔ ۱۳ نومبر ۱۹۱۵ء کو البلاغ جاری کیا اس کا بھی وہی مقصد تھا جو الہلال کا تھا یعنی مسلمانوں میں سیاسی و مذہبی بیداری پیدا کرنا۔ انہوں نے اوائل عمر میں شوق نیموی کی تصنیفات اصلاح اور ازاحتہ الاغلاط

وغیرہ منگائیں اور ان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ ان کتابوں میں اردو زبان کے اصول وقواعد اور متروک ومروج الفاظ سے بحث کی گئی تھی۔ جن سے انہیں بڑا فائدہ محسوس ہوا۔ اس لئے وہ شوق نیموی کی علمی وادبی صلاحیت سے نہایت متاثر ہوئے۔ ان سے خط وکتابت شروع کردی اور اپنے اشعار کی اصلاح لینے لگے اور تا آخر مشق سخن اصلاح لیتے رہے اور ان سے فیض حاصل کرتے رہے۔ اسی طرح وہ ان کے شاگرد ہوگئے۔ اس کا ایک ثبوت تو ''آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی'' میں موجود ہے۔ جس میں مولانا آزاد نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے شوق نیموی سے اصلاح سخن لی ہے۔ دوسرے زبانی طور پر انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ مولانا عبدالرشید فوقانی کو بتایا کہ انہوں نے شوق نیموی سے اصلاح لی تھی۔ اس کی تفصیلی معلومات کے لئے ''علامہ شوق نیموی: حیات وخدمات'' کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ ۲۳

زبیر دہلوی: مرزا محمد رئیس بخت زبیؔر دہلوی (م ۱۳۲۸ / ۱۹۱۰ء) آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے پوتے تھے۔ جن کے والد کا نام محمد دارا بخت تھا۔ زبیر دہلوی غدر کے بعد جودھپور میں مقیم رہے۔ پھر ریاست دربھنگہ چلے گئے جہاں ان کی بڑی قدردانی ہوئی۔ تقریباً بیس پچیس برس تک وہاں قیام کیا اور ایک سو پچاس روپے وظیفہ پاتے رہے۔ زبیر دہلوی اپنے عہد کے بہترین شعرا میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے شوق نیموی سے اصلاح سخن لی۔ انہیں اس بات پر فخر تھا کہ شوق نیموی جیسے باکمال شاعر اور ماہر فن استاد کی شاگردی نصیب ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ ان کے بعض اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے شوق نیموی کے رنگ و آہنگ اور اسلوب کی پوری تقلید کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حضرت شوق کا ہے فیض زبیر   تجھ میں ایسی جو خوش بیانی ہے

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

جب سے شوق نیموی سے ہے تلمذ اے زبیر   پایہ کیسا بڑھ گیا تقریر کا تقدیر سے

صوبہ بہار کو اس لحاظ سے فخر حاصل ہے کہ اس سرزمین کے ایک فرزند کے سامنے

خاص اردوئے معلی کے مرکز لال قلعہ کے ایک فرد اور بہادر شاہ ظفر کے پوتے نے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اور اس سے نہ صرف اصلاح سخن لی بلکہ اس کے اسلوب بیان کی پیروی میں اشعار کہے۔ اور اس پر اس نے اظہار فخر کیا۔

انہوں نے مہاراجہ دربھنگہ کی فرمائش پر تاریخ موج سلطانی نامی ایک کتاب لکھی جو شاہان مغلیہ کے حالات پر ہے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک دیوان ہے جو چمنستان سخن کے نام سے ہے۔ جس میں قصائد، غزل، نعتیہ کلام کے علاوہ داغ، امیر، شمشاد لکھنوی، تسلیم لکھنوی اور شوق نیموی کی وفات پر تاریخی قطعات درج ہیں۔ ۳۴

ضیا عظیم آبادی: مرزا علی رضا نام اور ضیا تخلص ہے۔ پٹنہ سیٹی کے باشندہ تھے۔ ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ معمولی علم حاصل کیا مگر شعری ذوق خداداد تھا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے۔ انیس سال کے ہوئے تو ایک دیوان ردیف وار مرتب کیا۔ شوق نیموی کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور ان سے باضابطہ اصلاح لینے لگے۔ انہوں نے شوق نیموی کے شاگرد کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا۔ ان کی شاعری میں عاشقانہ رنگ کے ساتھ ساتھ کیف و درد پایا جاتا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''دیوان ضیا'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ جو ۱۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں دو سو غزلیں ہیں جن کے اشعار کی تعداد دو ہزار تین سو کے قریب ہے۔ ۳۵

شوق نیموی کی وفات: شوق نیموی اپنی عمر کے چوالیس ۴۴ سال پوری کر چکے تھے کہ پیام اجل آ گیا اور ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ / ۲۵ نومبر ۱۹۰۴ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ ۳۶

ادبی تصنیفات: شوق نیموی کو شعر و ادب سے خصوصی شغف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زمانۂ طالب علمی میں مذہبی کتابوں کے علاوہ شعری و ادبی کتابوں کا مسلسل مطالعہ کرتے رہے۔ اور پٹنہ، غازی پور اور لکھنو کی شعری و ادبی محفلوں سے کسب فیض کرتے رہے۔ چنانچہ اسی زمانے میں انہوں نے کچھ ایسی کتابیں تصنیف کر ڈالیں جنہوں نے نہ صرف عوام کو فائدہ پہنچایا بلکہ

ملک کے اہل علم کو بھی متاثر کیا۔ دینی علوم سے فراغت کے بعد بھی ان کی کتب بینی کا سلسلہ جاری رہا۔ دینی و ادبی دونوں موضوعات کی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہیں۔ قدرت نے انہیں اعلیٰ مذہبی و ادبی ذوق بخشا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ان دونوں موضوعات پر نہایت گرانقدر کتابیں تصنیف کیں۔ یہ کتابیں اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے اتنی اہم ہیں کہ یہ آج بھی ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہیں۔ چونکہ سب سے پہلے انہوں نے شعر و ادب کے موضوع پر قلم اٹھایا۔ اس کے بعد مذہبی موضوع پر لکھنا شروع کیا۔ اس لئے ہم پہلے ان کی ادبی تصنیفات پر گفتگو کریں گے۔ اس کے بعد مذہبی تصنیفات پر تبصرہ کریں گے۔ ان کی درج ذیل ادبی تصنیفات ہمیں ملتی ہیں۔

ازاحۃ الاغلاط: یہ فارسی زبان میں ایک مفید رسالہ ہے جو ۱۸۹۳ء میں قومی پریس لکھنو سے شائع ہوا۔ اس کی علمی و ادبی افادیت کے پیش نظر مولانا حسرت موہانی نے اسے اپنے اردو پریس علی گڑھ سے طبع کرایا تھا۔ اس رسالے میں عربی و فارسی کے ایسے الفاظ کی تحقیق نہایت چھان بین کر کی گئی ہے۔ جنہیں اردو داں طبقہ غلط بولتا ہے۔ یا ان کے غلط معنی مراد لیتا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں غلط عام اور غلط عوام کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کے بعد مختلف فصلیں قائم کی گئی ہیں جن کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مولف آصف اللغات نے اپنی لغت کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے اور جا بجا استفادہ کیا ہے۔ یہ رسالہ بڑے سائز میں ۳۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

اصلاح: یہ اصلاح زبان کے لئے اردو زبان میں نہایت مفید رسالہ ہے۔ جو ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۹۳ء میں قومی پریس لکھنو سے شائع ہوا۔ پھر ۱۹۱۸ء میں مولانا حسرت موہانی نے اپنے اردو پریس علی گڑھ سے شائع کیا۔ اس رسالے کی تالیف کا مقصد جیسا کہ شوق نیموی نے لکھا ہے یہ ہے کہ اردو زبان کے نوآموز شعرا کو زبان و بیان کی خامیوں سے محفوظ رکھنا اور جو الفاظ متروک ہو چکے ہیں ان سے باخبر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا ناسخ

آتش، جلال، نسیم دہلوی، داغ دہلوی، شمشاد لکھنوی جیسے اہم شعرا کے اشعار سند کے طور پر پیش کئے گئے ہیں۔

اس رسالے میں تعقید لفظی، حشو، مقدرات، شتر گربہ، پہلوئے ذم، مبتذل مضامین، املا کے بعض الفاظ، تذکیر و تانیث اور ایطا جیسے اہم عنوانات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

ایضاح: یہ رسالہ اصلاح پر ایک مفید حاشیہ ہے۔ جو ۱۸۹۳ء میں قومی پریس لکھنو سے شائع ہوا۔

سرمۂ تحقیق: جب رسالہ ازاحۃ الاغلاط چھپا تو ملک کے اہل علم نے اس کی نہایت قدر دانی کی کیونکہ یہ نہایت مفید رسالہ تھا۔ لیکن اس میں جا بجا جلال لکھنوی کی تنقیح اللغات کے بعض تحقیقات سے اختلاف کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ نہایت برہم ہو گئے اور اس کے جواب میں ''ردتردید'' نامی ایک رسالہ لکھ کر اپنے ایک شاگرد کے نام سے چھپوایا۔ تاکہ شوق نیموی کی تحقیقات بے وزن ہو جائیں۔ شوق نیموی جب علوم دینیہ کی درسیات سے فارغ ہو کر ۱۳۰۵ ر ۱۸۸۷ء میں گھر واپس ہوئے تو انہوں نے اپنے احباب کے اصرار پر ردتردید کا جواب لکھا جو سرمۂ تحقیق کے نام سے شائع ہوا۔ یہ رسالہ اردو زبان میں ہے جو ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں جلال لکھنوی کی بعض تحقیقی فروگذاشتوں اور غلطیوں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کی گئی ہے اور اس کے لئے معتبر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

دیوان شوق: یہ شوق نیموی کا اردو شعری مجموعہ ہے۔ جس کو محمد نور الہدی نیموی نے ان کی وفات کے بعد مرتب کیا بقول ان کے شوق نیموی کی اکثر غزلیں ضائع ہوگئیں۔ تاہم انتہائی تلاش و جستجو کے بعد جو شعری سرمایہ انہیں دستیاب ہوا انہوں نے اس دیوان میں جمع کر دیا ہے۔ یہ دیوان ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ۱۳۲۶ھ میں مطبع سیدی پٹنہ سے شائع ہوا۔ اس کا تاریخی نام نظم سحر ساز ہے۔ جس سے ۱۳۲۶ کی تاریخ نکلتی ہے۔ اس دیوان میں حمد، نعت، غزلیں، رباعیات، قصائد، اور قطعات ہیں سب سے پہلے غزلیں ملتی ہیں جو حرف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار مرتب ہیں غزلوں کی کل تعداد ۱۹۴، قصائد کی ۸، رباعیات کی ۳۸،

اور قطعات کی ۲۶ ہیں جو مختلف اہل علم کی وفات اور ان کی تصنیفات کی طباعت پر کہے گئے ہیں۔ قطعات کے بعد میکش حیدر آبادی، شمشاد لکھنوی اور حکیم آغا حسن ازل لکھنوی کے تاریخی قطعات درج ہیں جو انہوں نے دیوان شوق کی طباعت پر کہے ہیں۔

نغمۂ راز: اردو زبان میں یہ ایک خوبصورت مثنوی ہے۔ جس کا تاریخی نام نغمۂ راز ہے جس سے ۱۳۰۳ھ کی تاریخ نکلتی۔ یہ مثنوی قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ اس کے ۳۸ صفحات ہیں۔ اس میں حسن و عشق کے واقعات نہایت دلچسپ اور پر کشش انداز میں بیان کئے ہیں۔ یہ اس طرح شروع ہوتی ہے۔

دل سے ہوں شیفتہ حسن قدیم　　طور سینائے وفا کا ہوں کلیم
واقف سر معانی ہوں میں　　کاشف راز نہانی ہوں میں
دیدۂ حسن حقیقت میں ہوں　　چشم بینائے طریقت میں ہوں

سوز وگداز: یہ شوق نیموی کی معرکتہ الآرا مثنوی ہے۔ جس میں محمد حسن اور شام سندر کی پاک محبت کا نقشہ نہایت دلکش انداز میں کھینچا گیا ہے اور ان کے عشقیہ واقعات نہایت موثر پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مثنوی ۱۳۱۲ھ میں لکھی گئی۔ زیر نظر مثنوی نظامی پریس پٹنہ سے چھپی ہے۔ جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز اس طرح ہے۔

میرا پیک خیال عرش پیما　　سواد حمد میں ہے جلوہ فرما
یہی دل میں ہے فکر نکتہ داں کے　　کہ تارے توڑ لاؤں آسماں کے
دکھاؤں رفعت شیوا بیانی　　بنوں شہباز اوج نکتہ دانی
کروں میں نظم کا رتبہ دوبالا　　کہ ہو ملک سخن میں بول بالا

یادگار وطن: اس کے بعد شوق نیموی کی دوسری تصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب شوق نیموی کی سوانح حیات ہے۔ جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے حالات و واقعات قلم بند کئے ہیں۔ اس میں سب سے پہلے نیمی کے جغرافیائی و تاریخی حالات و واقعات تحریر کئے ہیں

اس کے بعد اپنے اباواجداد کے سلسلہ نسب، تاریخی واقعات، اپنی ولادت، تعلیم و تربیت، اساتذہ اور تصنیفات وتالیفات کا ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ جلال لکھنوی کے ساتھ کا ادبی معرکہ، ادبی متروکات اور اپنے بعض شاگردوں کے حالات لکھے ہیں۔ اخیر میں نیمی کے شیوخ وسادات اور پھر اپنے خاندان کا شجرہ نسب تحریر کیا ہے۔

سیر بنگال: یہ شوق نیموی کا سفرنامۂ بنگال ہے۔ انہوں نے ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۱۹ھ میں سفر کلکتہ کیا تھا تاکہ ایشیاٹک سوسائٹی کی اہم کتابیں مطالعہ کریں۔ اس ضمن میں کلکتہ کے علاوہ دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا تھا۔ اور وہاں کے احباب اور رشتہ داروں سے ملاقاتیں کی تھیں۔ یہ تمام حالات وواقعات اس رسالے میں مذکور ہیں۔ یہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جو احسن المطابع پٹنہ سے چھپ کر شائع ہوا۔ درحقیقت بنگال کے سلسلے میں نہایت معلوماتی رسالہ ہے۔

شاعری:

غزل : شوق نیموی نے غزل، مثنوی، رباعیات اور قطعات جیسے اہم اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور خوبصورت اشعار کہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شعروشاعری کی دنیا میں انہیں ایک اہم مقام حاصل ہوا اور شعرائے دہلی ولکھنو نے انہیں ایک بڑا شاعر تسلیم کیا۔

شوق نیموی کی شاعری کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے دہلی شعری اسکول اور لکھنو شعری اسکول دونوں سے فیض حاصل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں اسکول کا رنگ تغزل انؔ کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اور یہی ان کا کمال فن ہے۔ انہوں نے جس چابکدستی اور مہارت کے ساتھ ان دونوں رنگ سے اپنے کلام کو ہم آہنگ کیا ہے۔ اس سے ان کی غزل گوئی کی قدروقیمت کافی بڑھ جاتی ہے۔ اوران کی ایک الگ شناخت نظر آتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے یہاں ہمیں ایک طرف صداقت، حقیقت بیانی، رنگینی، تاثیر، آمد اور سوز وگداز ملتا ہے جو دہلوی شعراء کا خاص رنگ ہے تو

دوسری طرف حسن کی رنگینی، دلکش ادائیں اور شوخیاں ملتی ہیں جو شعرائے لکھنو کی خاص پہچان ہے۔ ان کے یہاں دوغزلہ سہ غزلہ اور ابتذال روایت نہیں ملتی جو عام طور پر شعرائے لکھنو کے یہاں پائی جاتی ہے۔ ان کے غزلیہ اشعار کا بغائر مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غزل گوئی کے میدان میں شوق نیموی گرچہ مومنؔ، میرؔ، غالبؔ، داغؔ، ذوقؔ کے ہم پلہ نہیں تھے اور نہ کسی طرح ان شعراء کی صف میں انہیں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ان کی غزلوں میں جو خوبیاں نظر آتی ہیں اس کی بنا پر اس دور کے اردو ادب کے ممتاز غزل گو شعراء میں انہیں ضرور شمار کیا جا سکتا ہے۔

مثنوی: شوق نیموی نے مثنویاں بھی کہی ہیں اور اس میدان میں کمال فن کا نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کی مثنویاں نغمہ راز، سوز وگداز، درد جدائی، صبح وصال اور شام فراق ہیں۔ جن میں نغمہ راز اور سوز وگداز کافی مشہور ہیں۔ اور طویل ہیں کیونکہ سوز وگداز میں سات سوسینتیس اور نغمۂ راز میں پانچ سو چونتیس اشعار ملتے ہیں۔ ''سوز وگداز'' میں جو واقعہ نظم کیا گیا ہے وہ فرضی نہیں بلکہ اصلی اور تاریخی ہے۔ جس کو وقوع پذیر ہوئے تقریباً دو سو سال ہو گئے۔ اس میں محمد حسن اور شام سندر کی پاک عشق ومحبت کی داستان بیان کی گئی ہے۔ جو پٹنہ سیٹی کے باشندہ تھے۔ اس مثنوی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایک تاریخی وحقیقی واقعہ ہے۔ جس کو نہایت خوبصورت ودلکش اسلوب بیان میں پیش کیا گیا ہے اس کی اچھی طرح منظر کشی کی گئی ہے۔ نغمہ راز میں فرضی واقعہ نظم کیا گیا ہے۔ جس میں ایک لڑکے لڑکی کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ مثنوی گرچہ فرضی ہے لیکن اس کا انداز بیان بالکل فطری ہے۔ جس میں واقعات عشق کی جذبات نگاری اور منظر کشی نہایت دلچسپ انداز میں کی گئی ہے۔ جس زبان وبیان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت مشہور ہوئی اور ملک کے نامور شعراء وادبا نے اس کی نہایت قدر کی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں مثنویوں نے شعری دنیا میں اعلیٰ مقام حاصل کیا اور اردو زبان کی اچھی مثنویوں میں ان کا شمار ہوا۔ ان کی مختصر مثنویاں بھی قابل تعریف ہیں

کیونکہ ان میں بھی صداقت، قصہ پن، تخئیل، منظر کشی اور زور بیان پورے طور پر نظر آتا ہے۔

قصیدہ: شوق نیموی نے قصیدہ گوئی بھی کی ہے۔ انہوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، نواب کلب علی خاں نواب رام پور، شیخ حسین نواب منگرولی، سلیم اللہ خاں نواب ڈھاکہ اور مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی شان میں قصیدے کہے ہیں۔ یہ قصائد فنی و شعری لحاظ سے گرچہ وہ مقام حاصل نہیں کر سکے جو ان کی غزلوں اور مثنویوں نے کئے ہیں۔ تاہم ان کے قصائد میں جس قدر زور بیانی، پرشکوہ الفاظ، جدت بیان، اور بلند پایہ مضامین پائے جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ان کا مرتبہ نہایت بلند ہو جاتا ہے۔ انہوں نے فارسی تراکیب کا استعمال نہایت استادانہ طور پر کیا ہے۔ تشبیب، گریز، مدح اور دعائیہ کے موقع پر خوبصورت اور دلکش اسلوب اختیار کیا ہے۔ جس سے ان کے قصائد کی اہمیت کافی بڑھ جاتی ہے۔

رباعیات وقطعات: ان اصناف کے علاوہ شوق نیموی نے رباعیات اور قطعات بھی کہے ہیں جس سے ان کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیوان شوق میں ان کی رباعیاں مذکور ہیں۔ جن میں عشقیہ، مذہبی اور اخلاقی مضامین بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں زور بیان، سادگی، مضمون آفرینی اور دلکشی پورے طور پر پائی جاتی ہے۔ انہوں نے اچھے قطعات بھی کہے ہیں۔ ان کے قطعات زیادہ تر تاریخی ہیں۔ جو وقت اور حالات کی مناسبت سے کسی کی پیدائش، وفات، طباعت دیوان، یا کسی اور موقع پر کہے گئے ہیں۔ کچھ قطعات فارسی زبان میں کہے گئے ہیں اور کچھ اردو زبان میں۔ یہ قطعات نہایت دلچسپ، پرکشش اور عام فہم ہیں۔ ان کی تفصیلی معلومات کے لئے میری کتاب ''علامہ شوق نیموی: حیات وخدمات'' کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

زبان دانی اور تحقیق: ق نیموی عربی، فارسی، اردو زبان کے بڑے عالم اور محقق تھے۔ ان کی نظر ان تینوں زبان کی امہات کتب پر بڑی گہری اور عالمانہ تھی۔ ایک ایک لفظ کے مصادر و ماخذ سے بخوبی واقف تھے۔ اس کے علاوہ متقدمین و متاخرین شعرا کے اشعار انہیں زبانی یاد تھے۔ جنہیں وہ الفاظ کی تحقیقات میں استعمال کرتے اور انہیں ثبوت کے طور پر پیش

کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب وہ اردو زبان کے مروج الفاظ و محاورات کے استعمال پر تحقیقی کام کرنے لگے اور اس ضمن میں تینوں زبان کے ادباء وشعرا کی تصنیفات کی طرف رجوع کیا تو انہیں بہت سارے ایسے الفاظ و محاورات ملے جو عوام و خواص میں غلط استعمال ہو رہے تھے۔ یا متروک ہو چکے تھے انہیں تحقیقات کو انہوں نے ازاحۃ الاغلاط میں تحریر کیا۔ یہ اردو زبان کے مروج الفاظ و محاورات پر نہایت معرکتہ الآرا اور مستند تصنیف کہی جاتی ہے۔ اس میں نہ صرف الفاظ و محاورات جمع کردئے ہیں بلکہ بعض جگہ اپنی ذاتی تحقیقات پیش کی ہیں اور ان کے ثبوت میں مستند علمائے لغت ور فارسی و اردو کے نامور اساتذہ کے اشعار تحریر کئے ہیں۔ جو نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کا انداز بیان نہایت معیاری اور تحقیقی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے ایک ایک لفظ کا اعراب بیان کیا ہے۔ اگر کسی جگہ علمائے لغت کا اختلاف پایا ہے تو اس کی وضاحت کردی ہے۔ پھر ہر اختلافی قول کے ثبوت میں مختلف اہل لغت کا بیان اور نامور شعرا کا کلام پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں ایک ایک لفظ کی تحقیق میں آٹھ آٹھ دس دس لغت کی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔ جس سے ان کی وسعت معلومات، معیار تحقیق اور علمی تبحر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

حجلہ ایک عربی لفظ ہے جو فارسی و اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ شوق نیموی اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

۱. حجلہ بفتح حا پردہ کہ برائے عروس سازند از صحاح و قاموس و تاج و منتہی الارب و بہار عجم و بالضم درست نیست۔

ترجمہ: حجلہ حا کے فتحہ کے ساتھ۔ اس پردہ کو کہتے ہیں جو دلہن کے لئے بنایا جائے۔ دیکھئے صحاح، قاموس، تاج، منتھی الارب، بہار عجم، ضمہ کے ساتھ درست نہیں۔ ۲۷

۲. جہد بالفتح: کوشش از صراح و منتخب اللغات و منتہی الارب و بہار عجم بالکسر درست نیست۔ نظامی در مخزن الاسرار گوید ؎

دست وفا در کمر عہد کن تانشوی عہد شکن جہد کن

امیر خسرو در لیلیٰ مجنوں گوید۔

صد طرفہ سخن چو شکر و شہد نمود مگر بہ مثنوی جہد

مولوی جامی در یوسف زلیخا گوید۔

بشیرینی مکن ہم چو مکن جہد کہ آخر بند بر پایت نہد مشہد

ناظم ہروی در یوسف زلیخا گوید۔

کہ من کردم در ایں اندیشہ چوں جہد شدم آں شاہ معنی را ولی عہد ۲۸

ترجمہ: جہد فتح کے ساتھ۔ کوشش کے معنی میں۔ دیکھئے صراح، منتخب اللغات، منتھی الارب بہار عجم، کسرہ کے ساتھ درست نہیں۔ نظامی مخزن الاسرار میں فرماتے ہیں الخ۔

یہ کتاب علمی و ادبی دنیا میں نہایت مقبول ہوئی۔ ملک کے معروف اور معیاری اخبار و رسائل نے اس پر تبصرے شائع کئے۔ جس میں اس کی کافی تعریف کی گئی۔ یہی وہ کتاب ہے جس کا علم مولانا ابوالکلام آزاد کو ہوا تو انہوں نے اس کو منگا کر پڑھا اور اس کی تحقیقات سے نہایت متاثر ہوئے۔ یہی نہیں بلکہ انہیں شوق نیموی کی دیگر تصانیف بھی پڑھنے کا شوق ہوا چنانچہ کلکتہ سے پٹنہ خط لکھ کر انہیں طلب کیا اور تمام تصانیف کو بغور پڑھا۔ جس کے بعد وہ شوق نیموی کے شعری و ادبی فضل و کمال کے دل سے قائل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے شاعری شروع کی تو سب سے پہلے شوق نیموی ہی ان کے ذہن و دماغ میں آئے اور انہیں سے اصلاح لینی شروع کی جس کی وجہ سے وہ ان کے شاگرد ہو گئے۔

اردو زبان کے الفاظ کی تحقیق پر شوق نیموی کا دوسرا اہم رسالہ اصلاح ہے جو اردو طبقہ کے لئے نادر تحفہ ہے۔ یہ ان کی ایک شاہکار تصنیف ہے۔ جس میں تعقید لفظی، حشو، مقدرات، شتر گربہ، پہلوئے ذم، متروک، املائے بعض الفاظ، تذکیر و تانیث، ایطا وغیرہ کی تعریف کی ہے۔ اور اس کی تائید میں اردو شعرا کے اشعار پیش کئے ہیں۔ جا بجا جلال لکھنوی اور کچھ دوسرے زباندانوں کی تعریف سے اختلاف کیا ہے اور اپنی تعریف کے ذیل میں مختلف شعرا کا کلام پیش کیا ہے۔

اس کے علاوہ اردو زبان میں جو غلط الفاظ یا غلط ترکیبیں مستعمل ہو گئی ہیں ان کی نشاندہی کر کے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال ملاحظہ کیجئے:

اژدہام ژ سے اور چھوٹی ہ سے لکھنا غلط ہے۔ ازدحام زای تازی و حائے حطی سے لکھنا چاہئے۔

اکسیر کو اکثیر، ث سے لکھنا محض غلط ہے، اوس، اودھر میں متقدمین برابر واو سے لکھا کرتے تھے۔ مگر متاخرین واو کو حذف کر کے الف پر پیش دیدیا کرتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک واو کے ساتھ لکھنا اولی ہے۔ برات کو بارات صحیح نہیں۔ پاؤں، اس کا املا مختلف فیہ ہے۔ دہلی والے پانو لکھتے ہیں۔ اور ردیف واو میں لاتے ہیں۔ اور لکھنو والے پاؤں لکھتے ہیں اور ردیف نون میں داخل کرتے ہیں۔ اور بعضے پاؤں بھی لکھتے ہیں۔ یعنی الف کے بعد بھی نون لکھتے ہیں۔ [۲۹]

شوق نیموی اور جلال لکھنوی کا ادبی معرکہ: شوق نیموی نے لکھنو کے زمانۂ طالب علمی میں ازاحۃ الاغلاط لکھی تھی۔ اس میں انہوں نے جلال لکھنوی کی معروف کتاب تنقیح اللغات کے بعض الفاظ کی تحقیقات سے اختلاف کیا تھا اور اپنے خیال کی تائید میں شعری و ادبی ثبوت و شواہد پیش کئے تھے۔ جلال لکھنوی اس زمانے میں ہندوستان کے مشہور شعراء و ادبا میں شمار ہوتے تھے۔ وہ یہ کب گوارہ کر سکتے تھے کہ کوئی طالب علم ان کی تحقیقات سے اختلاف کرے اور ان کی غلطیوں کو طشت از بام کرے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ازاحۃ الاغلاط کی طباعت سے نہایت برافروختہ ہو گئے۔ اور ازاحۃ الاغلاط کے جواب میں تردید کے نام سے ایک رسالہ لکھ کر اپنے ایک شاگرد کے نام سے چھپوا دیا۔ جس میں علمی و تحقیقی انداز کے بجائے نہایت گھٹیا اور سطحی انداز میں ازاحۃ الاغلاط کو نشانہ بنایا گیا اور اس کی تحقیقات پر بے جا تنقید کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کا ردعمل شوق نیموی پر پڑنا ایک فطری امر تھا۔ کیونکہ علم وتحقیق کے میدان میں وہ خود ممتاز ہو چکے تھے۔ اور بڑے بڑے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں رسالہ تردید کے جواب میں ''سرمۂ

تحقیق'' نامی رسالہ لکھا جس میں جلال لکھنوی کی مزید خامیوں، لغزشوں اور غلطیوں کو اجاگر کیا۔ اس رسالے میں شوق نیموی نے ان کی بڑی سخت گرفت کی جس کا کوئی جواب جلال لکھنوی نہیں دے سکے۔ اس لئے بوکھلا کر ایک دوسری حرکت یہ کرڈالی کہ شوق نیموی کی طرف منسوب کر کے ایک جعلی اشتہار ''گلدستہ نغمہ بہار'' فروری ۱۸۸۹ء/۱۳۰۷ھ کے شمارے میں شائع کرادیا۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ شوق نیموی ایک قصبہ کا رہنے والا اور وہ بھی عظیم آباد کے مضافات کا باشندہ جلال لکھنوی جیسے عظیم شاعر وادیب کی غلطیوں کو منظر عام پر لانے لگا یہ اس کی بڑی نادانی ہے۔ وہ اپنی جہالت سمجھتا ہے اور انہی غلطیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہے وہ آیندہ سے ایسی حماقت نہیں کرے گا۔ یہ جعلی اشتہار تو چھپ گیا لیکن درحقیقت ایسا کر کے جلال لکھنوی نے بڑی غلطی کی کیونکہ ایک تو اس کا جعلی ہونا ظاہر ہوگیا جس سے انہیں کافی شرمندگی ہوئی۔ دوسرے یہ کہ ملک کے مختلف اخبار ورسائل نے اس ادبی بحث میں حصہ لیا اور جلال لکھنوی کو نہ صرف مفتری قرار دیا بلکہ شوق نیموی کی حمایت میں زوردار مضامین لکھے۔ جس سے علمی وتحقیقی دنیا میں شوق نیموی کی قدر وقیمت کافی بڑھ گئی۔ تیسرے یہ کہ خود شوق نیموی تحقیق کے میدان میں کھل کر سامنے آگئے۔ اور جہاں جہاں جلال لکھنوی نے زبان وبیان کی تحقیق میں غلطیاں کی تھیں ان پر بھرپور تنقیدیں کیں اور مختلف اخبارات میں مضامین لکھے تاکہ جلال لکھنوی کی تمام غلطیاں اہل علم اور عوام دونوں کے سامنے آجائیں۔ چنانچہ اخبارات میں سب سے پہلے نچِش دہلوی نے ان کی خبر لی جو اس دور کے معروف اخبار مشیر قیصر کے ایڈیٹر تھے۔ انھوں نے ۲۷؍مارچ ۱۸۸۹ء کے شمارے میں ان پر سخت تنقید کی اور اشتہار کا جعلی ہونا ثابت کیا۔ اس کے بعد اخبار نیر اعظیم کے مدیر نے ۱۱؍اپریل ۱۸۸۹ء کے شمارے میں اس پر تکذیب کی اور جلال لکھنوی پر لعن طعن کیا۔ شوق نیموی نے سب سے پہلے ۲۹؍مئی ۱۸۸۹ کے مشیر قیصر میں مضمون لکھا اور جلال لکھنوی کی غلطیاں خود ان کے کلام اور تحریر سے ثابت کیں۔ جس کا وہ جواب نہ دے سکے۔ الفاظ کے علاوہ ضرب الامثال اور محاورات میں بھی جلال لکھنوی نے غلطیاں کی تھیں ان سب کی شوق

نیموی نے گرفت کی۔اور مختلف دلائل کی روشنی میں ان کا غلط ہونا ثابت کیا۔

اس بحث کی بہت ساری مثالیں میری تصنیف علامہ شوق نیموی۔حیات وخدمات میں جمع کردی گئی ہیں جو وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔تاہم اس ادبی معرکے کے اہم ترین موضوع چھان بین اور جگنو وجگنی کی بحثیں ہیں۔جو اختصار کے ساتھ یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

چھان بین کی بحث: جلال لکھنوی نے لکھا تھا کہ اصل محاورہ چھان بنان ہے۔جس کو فصحاء لکھنو اسی طرح بولتے ہیں چھان بین غلط ہے۔شوق نیموی نے کتاب لکھی تو اس میں واضح کیا کہ چھان بین غلط نہیں صحیح ہے اور اکثر فصحاء نے اس کا استعمال کیا ہے۔جب یہ تحقیق جلال لکھنوی کی نظر سے گذری تو وہ نہایت برافروختہ ہوئے کیوں کہ اس سے ان کی استادی پر دھبہ لگ رہا تھا۔لیکن جواب دینے سے قاصر تھے۔وجہ اس کی یہ تھی کہ شروع میں اہل دہلی ''چھان بین''بولتے تھے۔اور اہل لکھنؤ''چھان بنان''استعمال کرتے تھے۔لیکن بعد میں اکثر فصحاء لکھنؤ چھان بنان ترک کر کے چھان بین ہی استعمال کرنے لگے تھے۔جلال لکھنوی نے اپنی کتاب میں تیس برس پہلے کی زبان لکھی تھی۔جب چھان بنان کے استعمال کا رواج تھا۔زبان وبیان کے لحاظ سے بعد میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان سے انہیں بحث نہیں تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے احباب کی مجلسوں اور نجی گفتگوؤں میں اس کا اعتراف بھی کرتے تھے۔جس کا انکشاف اخبار آزاد لکھنؤ نے ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۹ء کے شمارے میں کیا۔لیکن شوق نیموی کے مقابلے میں اپنی شکست ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔اور نہ اس کا اعتراف عوام کے سامنے کرنا چاہتے تھے۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس میدان تحقیق میں شوق نیموی کی جیت ہوئی اور اہل علم کا ایک بڑا طبقہ ان کا ہمنوا ہو گیا۔

جگنو وجگنی کی بحث: اس سلسلہ کی دوسری معرکتہ الآرا بحث''جگنو''اور''جگنی''کی تھی۔جو پورے ملک میں چھڑ گئی اور ملک کے ایک بڑے طبقے نے شوق نیموی کا ساتھ دیا اور ان کی پر زور تائید کی۔اس بحث میں بھی جلال کو منہ کی کھانی پڑی اور ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جلال لکھنوی نے اپنی تصنیف''سرمایہ زبان اردو''میں لکھا تھا کہ

جگنی زیور اور جگنو کرمک شب تاب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے وقت کے مستند اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ جب انہوں نے ''جگنو وجگنی'' کے بارے میں اپنا فیصلہ سنادیا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ اس کے خلاف لب کشائی کرتا یا ان کے فیصلے پر نظر ثانی کرتا۔ اس وقت ہندوستان میں نامور شعرا و ادباء کی بڑی تعداد موجود تھی لیکن سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے شوق نیموی اس میدان میں اترے اور نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد اس کا جواب دیا۔ جس وقت ''سرمایہ زبان اردو'' منظر عام پر آئی تھی۔ اس وقت شوق نیموی لکھنو میں زیر تعلیم تھے اور تعلیم ختم کر کے گھر واپس ہونے والے تھے اس وقت وہ اپنے ادبی ذوق اور کثرت مطالعہ کی بنا پر اردو زبان وادب میں کمال تبحر حاصل کر چکے تھے اور اہل علم میں پوری طرح متعارف ہو چکے تھے۔ تاہم انہوں نے لکھنؤ کے زبان دانوں سے اس کی مزید تحقیق کی تو انہیں معلوم ہوا کہ جگنو زیور کو بھی کہتے ہیں انہوں نے اس کے بعد بھی اس لفظ کی تحقیقات جاری رکھی۔ جب پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ تو ۱۶ اکتوبر ۱۸۸۹ء کے مشیر قیصر میں ایک محققانہ مضمون لکھا۔ جس میں جلال لکھنوی کی کئی غلطیوں کی نشان دہی کی۔ جگنو وجگنی کے بارے میں اپنی تحقیق اس طرح پیش کی۔

جناب عالی! جگنی وجگنو دونوں صحیح ہیں۔ رند۔

سر کا دوپٹا شب کو جو گردن کے پاس سے
جگنو کی طرح ہار کا جگنو چمک گیا

جب یہ مضمون شائع ہوا تو اخبار ''آزاد'' لکھنؤ کے مدیر منشی احمد علی شوق جگوری اور دو ایک دوسرے اہل قلم نے اس کے خلاف قلم اٹھایا اور شوق نیموی کو دوست ظاہر کر کے ان پر سخت تنقیدیں کیں۔ اور ان کی تحقیقات کو غلط قرار دیا اب شوق نیموی اور ان کے دوستوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ جلال لکھنوی گروپ کا جواب دیں اور اپنے دعوؤں کو مدلل کر کے پیش کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شوق نیموی کے ایک شاگرد واصل عظیم آبادی نے پہل کیا۔ اور اخبار مشیر قیصر مورخہ ۲۰ نومبر ۱۸۸۹ میں ایک مضمون لکھا۔ جس میں سب سے پہلے جلال

لکھنوی گروپ پر وار کیا کہ جب جلال لکھنوی نے شوق نیموی کے لئے رند کی سند کو غیر مستند قرار دیدیا تو پھر اپنے لئے انہوں نے جہنم کی تذکیر کے ذیل میں اسی رند کے شعر کو ثبوت کے طور پر کیسے پیش کر دیا۔ جو رندان کے لئے قابل سند ہو سکتے ہیں۔ وہی رند شوق نیموی کے لئے نا قابل سند کیونکہ ہو سکتے ہیں یہ تو سراسر نا انصافی کی بات ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے شعرا نے بھی جگنو کو زیور کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ افسوس کا ایک شعر ہے۔

شب کو یاد آئے اگر اس کے گلے کا جگنو
جو شرارہ ہے میری آہ کا جگنو ہو جائے

مشیر قیصر کے مدیر خاموش تھے مگر وہ بھی اس لفظ کی تحقیق میں لگے رہے۔ انہوں نے لکھنؤ کے مستند اہل علم سے روابط قائم کئے اس کے علاوہ بیگمات اودھ سے معلومات حاصل کیں اور مشیر قیصر میں ایک مضمون لکھ کر شوق نیموی کی تحقیقات کی تائید و حمایت کی۔ اس مضمون کے چند جملے ملاحظہ کیجئے۔

اس ہفتہ میں کئی معزز رئیسوں کے علاوہ پانچ بیگمات سے ان کے محلوں میں عورتوں کو بھیج کر دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی جگنو بولتے ہیں اس لئے جگنو اور جگنی دونوں کا صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔ جلال کی تحقیق ناقص ثابت ہوئی۔ شوق نیموی نے اس پر بس نہیں کیا بلکہ مزید تحقیق کے لئے سید مہدی حسن ماہر لکھنوی کو خط لکھ کر مزید تصدیق و توثیق چاہی تو انہوں نے جواباً خط لکھا کہ شعرائے لکھنؤ نے جگنو اور جگنی دونوں صورتوں سے اس لفظ کو نظم کیا ہے اس کی تائید میں انہوں نے دو شعر بھی پیش کئے۔ اس خط کی اشاعت سے جلال لکھنوں کو بڑا دھچکا لگا۔ کیونکہ خود لکھنؤ کے ایک دوسرے مستند شاعر کے شعر سے ان کے خیال کی تردید ہو رہی تھی حقیقت یہ ہے کہ اس ادبی معرکے میں شوق نیموی کی جیت سے ان کی علمی و ادبی بصیرت اور علم و فضل کا پورے ملک میں بڑا چرچا ہوا۔ اور ان کی تحقیق و زباندانی کا ہر طرف شہرہ ہوا۔

شوق نیموی ادبا و شعرا کی نظر میں: تذکرہ اور تاریخی کتابوں میں عام طور پر ایسے اہل علم

ملتے ہیں جن کی قدر دانی اوران کے علم وفضل کا اعتراف یا توان کے انتقال کے بعد ہوا یا اخیر عمر میں ہوا کیونکہ عام طور پر کسی اہل علم کا علمی وادبی جوہر یا تو اخیر عمر میں کھلتا ہے یا مرنے کے بعد اس کے قدر داں پیدا ہوتے ہیں لیکن ایسے اہل علم معدودے چند ہیں جن کی علمی برتری اوائل عمر ہی میں ظاہر ہوگئی ہو اور ان کے قدر داں نہ صرف ان کے معاصرین بلکہ خود ان کے اساتذہ ہوں۔ شوق نیموی انہیں خوش نصیب معدودے چندلوگوں میں ہیں جنکی شعری وادبی خوبی اور علمی برتری کے قائل ان کے اوائل عمر میں صرف ان کے معاصر شعراوادبا تھے بلکہ خود ان کے اساتذہ بھی تھے مثال کے طور پر سعید حسرت عظیم آبادی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۶ء) تسلیم لکھنوی (م ۱۳۲۹/۱۹۱۱) شمشاد لکھنوی (م ۱۳۳۴/۱۹۱۵) داغ دہلوی (م ۱۳۲۲/ ۱۹۰۵) امیر مینائی (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) عبدالعلی آسی مدراسی (۱۳۲۷/۱۹۰۹) حسن مارہردی (۱۳۵۹/۱۹۴۰ء) کو دیکھئے۔ یہ ہندوستان کے معروف ومستند شعراوادبا ہیں۔ جو شوق نیموی کے یا تو اساتذہ ہیں یا معاصر شعراء ہیں۔ ان تمام شخصیتوں نے شوق نیموی کے زمانہ طالب علمی ہی میں ان کے شعری وادبی فضل وکمال کا نہایت کھل کر اعتراف کیا ہے اوران کی بے حد تعریف کی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا شعری وادبی مقام اردو زبان کے نامور شعرا وادبا کے یہاں کتنا اعلی وارفع اور بلند تھا دیکھئے داغ دہلوی کے یہاں سوز وگداز کا ایک نسخہ پہنچا تو اس کو پڑھنے کے بعد شوق نیموی کو مخاطب کرکے وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

اریکہ آرائے بزم کمال محقق بے مثال دام عنایتکم

امیر مینائی نے مثنوی نغمہ راز کی طباعت پر درج ذیل قطعہ تاریخ کہا جس میں اس مثنوی کی بے حد تعریف کی ہے فرماتے ہیں۔

جواہر مضامین کے لاکھوں بھرے ہیں
بلاغت کی کان آج یہ مثنوی ہے
امیر اس کی تاریخ میں نے یہ لکھی
فصاحت کی جان آج یہ مثنوی ہے

تسلیم لکھنوی شوق نیموی کے استاد ہیں ۔انہوں نے اپنے شاگرد کی تعریف کس انداز سے کی ہے اور ان ئی شاعری کو کس طرح سراہا ہے۔اس کے لئے ان کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے۔

بارک اللہ اے ظہیر احسن | مجمع علم و ماہر ہر فن
مثنوی لکھی کیا نئی تم نے | ساحری شاعری میں کی تم نے
وہ فصاحت زبان میں رکھی ہے | وہ بلاغت بیان میں رکھی ہے
دل ہی جس کا مزہ اٹھاتا ہے | شعر تحسیں لبوں تک آتا ہے
اوج بخشا کمال کو کیا کیا | دی بلندی خیال کو کیا کیا
سیر نے اک مزادیا دل کو | نقش حیرت بنادیا دل کو

بہر تاریخ کلک کی ہے یہ لئے
وہ کیادل پند نغمہ ہے ۳۰

مذہبی تصنیفات: شوق نیموی نے بنیادی طور پر علم دین کی تحصیل کی تھی ۔اور اس کی تکمیل کے لئے پٹنہ، غازی پور کا سفر کر کے اخیر میں لکھنؤ پہنچے تھے جہاں انہیں جید علما سے ملاقاتیں ہوئیں اور نامور علما سے درسیات کی تکمیل کی۔ خاص طور پر مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی (م ۱۳۰۴/۱۸۸۶ء) کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے۔ جو علوم دینیہ کے باکمال علما میں شمار ہوتے تھے۔علم حدیث میں تو یکتاے روزگار تھے ۔فقہ کے میدان میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے ایسے جید عالم کی تعلیم وتربیت نے شوق نیموی پر گہرا اثر ڈالا ۔اوران کے علمی وادبی ذوق کو پروان چڑھنے میں نہایت اہم رول ادا کیا۔شوق نیموی میں حدیث وفقہ کا اعلی مذاق پیدا کیا۔ اور اس میدان میں تحقیقی خدمات انجام دینے کا شعور بیدار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شوق نیموی جب علوم دینیہ کی درسیات سے فارغ ہوکر نیمی پہنچے تو چند روز وہاں قیام کر کے پٹنہ (عظیم آباد) چلے آئے جہاں وہ تادم آخر فقہ وحدیث کی خدمت کرتے رہے سب سے پہلے انہوں نے ان علوم میں تبحر پیدا کیا۔ دینی موضوعات پر بہت ساری اہم کتابیں پڑھیں اور

پھر اخیر میں دینی کتابیں تصنیف کرنے میں مصروف ہوگئے انہوں نے ایک درجن سے زائد دینی کتابیں لکھی ہیں ان کی ہر تصنیف ان کے تبحر علمی کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ خاص طور پر فن حدیث میں آثار السنن لکھ کر ایسا گراں قدر اور شاندار کارنامہ انجام دیا ہے کہ ہندوستان میں گذشتہ سینکڑوں برس تک اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے حدیث، روایات حدیث، نقد حدیث رجال حدیث کے سلسلہ میں ایسی نادر اور اعجوبہ روزگار تحقیقات پیش کیا ہیں کہ مستقبل میں تاریخ اسلامی ہند انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اور ان کا نام ایک عظیم محدث بے مثال ناقد حدیث اور فقیہ کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

یہاں ان کی مذہبی تصنیفات تحریر کی جاتی ہیں:

(۱)	اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید	(اردو)
(۲)	جبل المتین	(اردو)
(۳)	رد السکین	(اردو)
(۴)	جلاء العین فی رفع الیدین	(اردو)
(۵)	جامع الآثار فی صلوۃ الجمعۃ فی القری	(اردو)
(۶)	لامع الانوار فی نظر المختار	(اردو)
(۷)	مقالہ کاملہ	(اردو)
(۸)	المجلی فی رد قول المحلی	(اردو)
(۹)	تذئیل	(اردو)
(۱۰)	تبیان التحقیق	(عربی)
(۱۲)	آثار السنن	(عربی)

منتخب اشعار

شوق نیموی نے اردو زبان کے مختلف اصناف حمد، غزل، مثنوی، قصائد، قطعات، رباعیات میں شاعری کی ہے۔ اور ہر صنف میں خوبصورت اور دلکش اشعار کہے ہیں۔ اب ہم ان کے منتخب اشعار پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ان سے لطف اندوز ہوں اور ان کے شعری وادبی فضل وکمال بخوبی سمجھ سکیں۔ یہ تمام اشعار دیوان شوق مطبوعہ مطبع سیدی پٹنہ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

حمد کے اشعار:

دل میں ہے یاد تیری آنکھوں میں نور تیرا
جس گھر میں جاکے دیکھا پایا ظہور تیرا

یہ شان کبریائی موسیٰ بھی کھا گئے غش
پر تو پڑا ذرا سا بالائے طور تیرا

جلوہ ترا عیاں ہے پست و بلند سب میں
پھولوں میں بو ہے تیری تاروں میں نور تیرا

یہ سر ترے قدم پر یونہی پڑا رہے گا
جب تک نہ تو کہے گا بخشا قصور تیرا

گردن جھکانے میں بھی کیا سر بلندیاں ہیں
پایا مراقبے میں اکثر حضور تیرا

مشتاق دید ترے کب سے ترس رہے ہیں
کب تک چھپا رہے گا پردے میں نور تیرا

کہتا ہوں صدق دل سے دونوں کو خوشنما ہیں
مجھ کو تو عجز میرا تجھ کو غرور تیرا

جو کوئی چشم دل سے پردہ اٹھا کے دیکھے
کون و مکاں میں پائے جلوہ ضرور تیرا

اپنی رگ گلو سے پایا قریب تجھ کو
غفلت یہ تھی کہ رستہ سمجھے تھے دور تیرا

ہے کیف بادۂ عشق آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں
پہلو میں اپنے دل ہے جام ظہور تیرا

اپنے کرم کے صدقے محشر میں بخش دینا
ہے اک ذلیل بندہ شوق اے غفور تیرا

غزل

جو غیروں پر کوئی بیداد کرنا کسی بھولے ہوئے کو یاد کرنا
کچھ اگلے عہد و پیمان یاد کرنا پھر اے ظالم کوئی بیداد کرنا
تمہارے ہی تصور کا یہ گھر ہے سمجھ کر دل مرا برباد کرنا
برنگ غنچہ دل ہے لاکھ صد چاک نہیں آتا مگر فریاد کرنا
شب ہجر اے خیال یار تو ہی تسلی دل ناشاد کرنا
رہے کچھ دیر تک دیدار قاتل کمی اے خنجر فولاد کرنا
لب نے سیکھ لئے ہم دل جلوں سے ہجوم درد میں فریاد کرنا
گلستاں میں رہے تو ہم قفس میں ذرا انصاف او صیاد کرنا
ہمیں بھی یاد کر لینا پس مرگ اگر کوئی ستم ایجاد کرنا
چلے آنا سوئے ویرانۂ دل اگر منظور ہو آباد کرنا
مزاج ان کا بہت نازک ہے اے شوق سمجھ کر نالۂ و فریاد کرنا

میں نے جو دل بتوں سے لگایا خدا ملا　　کہہ کر برا بھلا تجھے اے شیخ کیا ملا
دل بھی مجھے ملا تو بڑا بے وفا ملا　　کم بخت یہ بھی اس بت ظالم سے جا ملا
غوطے لگائے بحر محبت چند بار　　جب تہہ کو پہنچے ہم تو در مدعا ملا
پہلے گلہ کیا ترے دل کا پتہ نہیں　　کھولی جو اپنی زلف تو بولے ملا ملا
تو دیکھنا کہ شوخی رنگ اور ہوگئی　　خون شہید ناز حنا میں ذرا ملا
آنکھوں سے مثل اشک گرانا نہ تھا تمہیں　　مجکو ملا کے خاک میں بتلاؤ کیا ملا
روئے دل شکستہ کو ہم پھوٹ پھوٹ کر　　شیشہ جو کوئی راہ میں ٹوٹا پڑا ملا
سینے میں ہوک اٹھتی ہے پہلو ہے داغ داغ　　دل دے کے آپ کو مجھے اچھا صلا ملا
سرگشتہ صبح و شام تھے جس کی تلاش میں　　آخر کو اس کا گوشۂ دل میں پتا ملا
دل لے چلا ہے منزل مقصود کی طرف　　کیا اے جناب ہمیں رہنما ملا

بے چین ہم ادھر ہیں ادھر بے قرار وہ
عاشق مزاج شوقؔ ہمیں دل ربا ملا

کسی طرح خم گیسو سے دل نکل نہ سکا
ہزار پیچ کیے کو پیچ حل نہ سکا
جو چلمن اس نے اٹھائی تو میں سنبھل نہ سکا
گرا تو اٹھ نہ سکا اور اٹھا تو چل نہ سکا
مرے خیال سے جس پر تھی مہر پیر مغاں
وہ مے ابل نہ سکی کچھ وہ خم ابل نہ سکا
ذرا بھی نالۂ خارا شکن نہ کام آئے
کسی طرح شب غم کا پہاڑ ٹل نہ سکا
سموم آہ نے مرجھا دیا جو روز فراق
مرا نہال اک بار پھول پھل نہ سکا
وہ لاکھ کوچے سے اپنے مجھے اٹھاتے رہے
مثال نقش قدم ضعف سے میں ٹل نہ سکا
خیال موے مژہ گڑ گیا ہے کچھ ایسا
کہ مرے دل سے یہ کانٹا کبھی نکل نہ سکا
کسی حسین نے کچھ داغ دل کی قدر نہ کی
کسی غریب کا کھوٹا درم تھا چل نہ سکا
لحد میں ایک طرح میں پڑا رہا تا حشر
کمال ضعف سے کروٹ بھی میں بدل نہ سکا
جو دل فریب ہو وہ کیا فریب میں آئے
کسی کے سامنے فقرہ کسی کا چل نہ سکا

خیال یار نے کی نزع میں مسیحائی
کہ موت ٹل گئی بالیں سے دم نکل نہ سکا
وہ خاک قبر پر آئے گا فاتحے کو مرے
جو دو قدم بھی جنازے کے ساتھ چل نہ سکا
خدا بچائے تمہاری نشیلی آنکھوں سے
کہ اک نظر جسے دیکھا وہ پھر سنبھل نہ سکا
بھرے ہیں حسرت وارماں یہاں تک اس دل میں
کہ درد اٹھنے کو اٹھا مگر ٹہل نہ سکا
کسی کو دیکھتے ہی بے نقاب محشر میں
ہزار دل کو سنبھالا مگر سنبھل نہ سکا
فراق یار دل نے جو آہ کی پس مرگ
چراغ گورمرا وہ گھڑی بھی جل نہ سکا

وہ دل دیا ہے خدا نے کہ بعد مرگ شوق
بغیر یار کے حوروں میں بھی بہل نہ سکا

اودھر رخ سے گھونگھٹ اٹھانا کسی کا　ادھر خاک پر تلملانا کسی کا
ستم ہوگیا روٹھ جانا کسی کا　مزہ دے گیا پھر منانا کسی کا
کہاں تک یہ زلف آپ سلجھائے گا　ذرا دیکھئے پیچ کھانا کسی کا
گراتا ہے دل پر قیامت کی بجلی　وہ منہ پھیر کر مسکرانا کسی کا
چمن میں جو گلچیں نے کچھ پھول توڑے　تو یاد آگیا دل دکھانا کسی کا
مرے آگے کیا گل کھلائیں گے غنچے　مجھے یاد ہے مسکرانا کسی کا
سر بزم تم اور نیچی نگاہیں　اجی کھل گیا دل چرانا کسی کا
نہ کر آہ کا قصد گھبرا کے اے دل　کچھ اچھا نہیں دل دکھانا کسی کا
وہ بھولی سی صورت لڑکپن کی باتیں　ہمیں یاد ہے وہ زمانہ کسی کا
مرے خانۂ دل میں خلوت گزیں ہے　کسی کو ملے گیا ٹھکانا کسی کا
تمہیں عشق سے شوق سب روکتے تھے　مگر تم نے کہنا نہ مانا کسی کا

دل شوق حسینوں سے لگانا نہیں اچھا ہوجاؤ گے بدنام زمانہ نہیں اچھا
ہم صاف کہے دیتے ہیں مانو کہ نہ مانو دل عاشق بے کس کا دکھانا نہیں اچھا
رہتے ہو جو دل میں تو جگر کو نہ جلاؤ ہم سائے کے گھر آگ لگانا نہیں اچھا
منہ سے نہ کہیں آہ جہاں سوز نکل جائے جلتا ہو جو آپ اس کو جلانا نہیں اچھا
دل کوئی چرالے تو نہیں اس کی شکایت آنکھیں مگر اے جان چرانا نہیں اچھا
کھل جائیں گے راز آپ کے اس شرم وحیا سے منہ مجھ سے سر بزم چھپانا نہیں اچھا
دیکھو نہ کہیں دل کی لگی اور بھڑک جائے بالیں لحد شمع جلانا نہیں اچھا
ہم خوب سمجھتے ہیں جہاں جاتے ہو جاؤ ہر روز مگر اسے بتانا نہیں اچھا
پڑجاؤ گے جھگڑے میں کہے دیتے ہیں اے جان ہر ایک کی آنکھوں میں سمانا نہیں اچھا
نازک ہیں عجب کیا کہ وہ دل تھام کے رہ جائیں حال شب غم ان کو سنانا نہیں اچھا
دامن کبھی جھلتے ہیں کبھی ملتے ہیں وہ ہاتھ اے شوقؔ ابھی ہوش میں آنا نہیں اچھا

رہو جو دل میں تو ہو جان جان بہت اچھا
جگہ یہ ہے بہت اچھی مکان بہت اچھا
ذرا سی بات پر اتنا بگڑ گئے تم آج
سنائیں تم نے بہت گالیاں بہت اچھا
کلیجہ تھام لوں پہلے تو کچھ میں عرض کروں
چلے ہیں آپ عدو کے یہاں بہت اچھا
کہا جو میں نے کبھی پھر کرم کریں گے آپ
وہ ہنس کے ناز سے بولے کہ ہاں بہت اچھا
ہماری آہ کبھی تو اثر دکھائے گی
ستائے شوق سے اے آسمان بہت اچھا
جو اون کے تیغ ادا کا ہوا اشارہ کچھ
تڑپ کے دل نے صدا دی کہ ہاں بہت اچھا
مجھے بھی عشق کا دعویٰ ہے اور غیر کو بھی
جو آپ چاہتے ہیں امتحان بہت اچھا
چمن کی سیر کریں چل کے آپ ہم دونوں
کہ چاندنی ہے سہانی سماں بہت اچھا
فضائے کوچۂ جانان کی بات ہی ہے کچھ اور
ہزار ہیں چمن اچھے جنان بہت اچھا
یہ قصد نالۂ دل ہے کہ عرش سے بڑھ جائے
سنا ہے جب سے کہ ہے لامکاں بہت اچھا
کلام شوقؔ وہ سن کر پھڑک کے بول اٹھے
زبان ہے بہت اچھی بیان بہت اچھا

نیرنگ داغ دل پس مردن ہے آفتاب
مہتاب شمع چادر مدفن ہے آفتاب
رخ سے ترے چمک مرے داغ جگر کی ہے
داغ جگر کے عکس سے روشن ہے آفتاب
پھیلی ہوئی ہے آج قیامت کی روشنی
تم جھانکتے ہو یا پس روزن ہے آفتاب
کیوں کر شب وصال دکھاؤں میں داغ دل
روشن یہ ہے کہ رات کا دشمن ہے آفتاب
دعوی برابری کا کسی نوجوان سے
اے پیر آسمان ترا کودن ہے آفتاب
اس تیرہ شب میں شیخ کی یہ چال دیکھئے
مینائے جیب میں تہہ دامن ہے آفتاب
اللہ رے فروغ ترے خاکسار کا
مرنے کے بعد گنبد مدفن ہے آفتاب
ڈھل جائے گا جب آئے گا حد عروج پر
تیرا فروغ پر جو یہ جوبن ہے آفتاب
جلوہ کسی کے حسن کا کون و مکاں میں ہے
دیکھو کہ ذرے ذرے میں ہے آفتاب
چمکی ہوئی ہے شوق یہ بزم مشاعرہ
ہر شعر چاند مطلع روشن ہے آفتاب

داغ دل کے آگے کیا اے چرخ اخضر آفتاب
میری آہ پر شرر کا ہے اک اخگر آفتاب
عشق عارض نے اثر اپنا دکھایا بعد مرگ
شامیانہ بن گیا میری لحد پر آفتاب
اس رخ پر نور کی الفت نے بخشا یہ فروغ
بن گیا ہے عکس داغ دل فلک پر آفتاب
روز وحشت اس کے دیوانے کی ہے کچھ اور شان
فرش ہے ریگ بیاباں چتر سر پر آفتاب
دن کو کوٹھے پر نہ جاؤ ورنہ فرط شرم سے
گر پڑے گا منہ کے بل روے زمیں پر آفتاب
میرے داغ دل کا پھاہا ہو اگر دم بھر جدا
منہ چھپائے شرم سے بدلی کے اندر آفتاب
یا خدا ہو سایۂ رحمت میں تیرے جائے شوقؔ
جب سوا نیزے پہ آئے روز محشر آفتاب

دیکھ کر مقتل میں آب تیغ قاتل کی تڑپ
بڑھ گئی شوق شہادت میں مرے دل کی تڑپ
چین سے بیٹھے ہوئے ہیں آپ بزم غیر میں
مجکو تڑپاتی ہے کیا کیا حسرت دل کی تڑپ
قتل کرتے ہو تو پہلے تم کلیجا تھا م لو
کیا عجب ہے رنگ کوئی لائے بسمل کی تڑپ
بھول جائیں ایک دم میں اپنی سب بے تابیاں
بجلیاں دیکھیں اگر دم بھر مرے دل کی تڑپ
اس نے جب چلمن اوٹھائی بزم میں بجلی گری
رقص بسمل بن گئی ارباب محفل کی تڑپ
پو چھتے ہو کیا دل نا شاد کی بے تابیاں
تم نے کیا دیکھی نہیں مر غ بسمل کی تڑپ
اس کو پہلو سے نکا لو تم کہ راحت ہو نصیب
مار ڈالے گی نہیں تو شوق اس دل کی تڑپ

ہوں وہ بے کس کہ دیکھ کر حسرت
کرتی ہے میرے حال پر حسرت

اپنی ناکامی تمنا سے
ہمہ تن ہیں دل وجگر حسرت

ہائے رے میری بے کسی شب غم
پاس کوئی نہیں مگر حسرت

خانہ دل جو ہو گیا ویران
پھر رہی ہے ادھر ادھر حسرت

اف ری پردہ نشینی جاناں
دل سے نکلی نہ عمر بھر حسرت

جا گزیں جیسے میرے دل میں ہوئی
نہ گئی پھر ادھر ادھر حسرت

میں وہ غم دوست ہوں کہ بعد فنا
سر تر بت ہے نوحہ گر حسرت

آرزو کا جو دم نکلتا ہے
غم میں سر پیٹتی ہے ہر حسرت

کہیں سبزہ نہ چادر گل ہے
کیا برستی ہے گور پر حسرت

خانہ دل جو ہوگیا سنسان
کھا کے کچھ مر گئی مگر حسرت

ہو چکا عشق میں جو ہونا تھا
صبر کر شوقؔ اب نہ کر حسرت

ہجر کی تھی کچھ ایسی بھاری رات میں نے مرمر کے کاٹی ساری رات
پوچھتے ہیں وہ کس تجاہل سے آج کیوں کر کٹی تمہاری رات
ہیں یہ نیرنگیاں زمانے کی ایک رات ان کی اک ہماری رات
رخ و زلف سیہ کے عاشق کو دن بھی پیارا ہے اور پیاری رات
اک قیامت ہیں ہجر میں دونوں دن ہمارا ہو یا ہماری رات
چشم مخمور سے ٹپکتا ہے تھا کہیں شغل بادہ خواری رات
دن کٹا آج آہ ونالے میں رہے آنکھوں سے اشک جاری رات
رخ سے کہتی ہے ان کی زلف سیاہ رکھتی ہے وصف پر دہ داری رات
رحم کر رحم سخت بھاری ہے ہجر کی اے جناب باری رات
ہے سر شام حال دل کچھ اور ابھی باقی ہے غم کی ساری رات
ہے تعجب کہ آپ نے اسے شوقؔ کس طرح ہجر کی گذاری رات

کبھی کہیں کی کبھی کی یہاں وہاں کی بات
نکالی حضرت ناصح نے بھی کہاں کی بات
ہزار شمع سر بزم رو کے کہتی ہے
کسی کے فہم میں کیا آئے بے زباں کی بات
کبھی تو کوچہ جاناں کا ذکر کر واعظ
ہزار مرتبہ ہم سن چکے جناں کی بات
تمہاری تیغ بھی ہے غیر بھی ہیں ہم بھی ہیں
ہزار باتوں میں ہے ایک امتحاں کی بات
وہ گوشۂ دل سے سنا کرتے ہیں فسانہ غیر
مگر نہ ایک سنی میری داستاں کی بات
جناب شیخ کی کوئی تعلیاں دیکھے
زمیں کی کبھی کہتے ہیں آسماں کی بات
نوید آمد جاناں مجھ ہی سے اے قاصد
وہ اور آئیں مرے گھر میں مہرباں کی بات
نکل کے دل سے جو نالہ چلا یہی ڈر ہے
ادھر ادھر وہ کرے گا بیان یہاں کی بات
عجب مزہ ہے محبت کی گالیوں میں بھی
ہے بڑھ کے قند سے اس شوخ بدزباں کی بات
جو فکر کرتی ہے میری بلند پر وازی
تو شوق جوش میں کہتی ہے لامکاں کی بات

کرتے ہو ربط غیر سے انکار جھوٹ موٹ
تم آنکھوں پر اٹھاتے ہو دیوار جھوٹ موٹ

ناصح کی پند ہوتی ہے طومار جھوٹ موٹ
کھاتا ہے میرے سر کو وہ بیکار جھوٹ موٹ

عالم کے قتل کرنے کو کافی ہے تیغ ناز
تم نے کمر میں باندھی ہے تلوار جھوٹ موٹ

فقرے غضب کے ہوتے ہیں آفت کی افترا
طوفان باندھتے ہیں یہ اغیار جھوٹ موٹ

وعدے ہزار مجھ سے کئے ہیں کسی نے آج
ہیں یک قلم غلط سلط اقرار جھوٹ موٹ

کب تک ترا جمال چھپے گا نقاب میں
ہیں لن ترانیاں تری اے یار جھوٹ موٹ

دل مانگتے تو ہو مگر اتنا رہے خیال
مشہور خلق ہے یہ وفادار جھوٹ موٹ

کہہ دیتے ہیں رقیب مرا حال آپ سے
دو ایک بار ٹھیک تو سو بار جھوٹ موٹ

حاصل چمن کی سیر ہے دیدار گل نصیب
کیوں چیختی ہے بلبل گلزار جھوٹ موٹ

شکوہ کیا ہے میں نے کسی سے حضور کا
یہ افترا غلط ہے یہ طومار جھوٹ موٹ

اک دن امید واروں کی حسرت نکال دو
مانا کیا ہے وعدۂ دیدار جھوٹ موٹ

دیکھو کہ مرنے والوں کا ہوتا ہے حال کیا
دم بر ہلا دو تم لب گفتار جھوٹ موٹ

ہم بھی وہی ہیں دل بھی وہی تم بھی ہو وہی
پھر کس سبب سے کرتے ہو تکرار جھوٹ موٹ

وہ پیارے زلف پیاری ہے پیارا ہے ان کا رخ
ہے اختلاف کافر و دیندار جھوٹ موٹ

میں مر گیا بلا سے ہزاروں ہیں جاں نثار
تم میرے غم میں روتے ہو بیکار جھوٹ موٹ

شوقؔ اک حسین کی بزم میں ہو کر شریک ہم
بد نام خلق ہو گئے بیکار جھوٹ موٹ

آج لب پر ہے دھواں کیا باعث　　آہ ہے شعلہ فشاں کیا باعث

نگہ ناز نے کیا مارا تیر　　دل ہے پہلو میں تپاں کیا باعث

خانۂ دل میں تو رہتے ہو تم　　پھر ہو نظروں سے نہاں کیا باعث

گوش گل ہو گئے کراے بلبل　　سنتے ہی تیری فغاں کیا باعث

تم کو اغیار سے کب فرصت تھی　　آگئے آج یہاں کیا باعث

جن کو غم خوار سمجھتے تھے ہم　　ہو گئے دشمن جاں کیا باعث

مجکو محروم ہی رکھا ابتک　　تو نے اے پیر مغاں کیا باعث

آئے گا کون کہ اتنی شب تک　　ہے کھلی مئے کی دکاں کیا باعث

آج آکر جو وہ میرے در تک　　پھر گئے اپنے یہاں کیا باعث

مثل اس پردہ نشیں کے آہیں　　دل میں رہتی ہے نہاں کیا باعث

شوقؔ کیا بات ہے روتے کیوں ہو　　اشک رہتے ہیں رواں کیا باعث

جس نے جب پوچھا کہ کیسا ہے مزاج | کہدیا اچھا ہوں اچھا ہے مزاج
پھر کسی نے کوئی فقرہ جڑدیا | آج کل پھر ان کا بگڑا ہے مزاج
دیکھتے بھی ہیں کہ حالت غیر ہے | پھر بھی کہتے ہیں کہ اچھا ہے مزاج
دل لگی میں بھی بگڑ جاتے ہو تم | طرفہ معجون تم نے پایا ہے مزاج
غیر کے کیوں دم میں آجاتے ہو تم | کس قدر واللہ سید ھا ہے مزاج
عرش اعظم پر مرا پہنچا دماغ | اس نے جب پوچھا کہ اچھا ہے مزاج
وہ کبھی رہتے نہیں اک رنگ پر | کیا تلون خیز پایا ہے مزاج
جلوہ دیدار سے دل شاد ہے | عرش پر اس وقت اپنا ہے مزاج
آج بر ہم کچھ نظر آتے ہیں آپ | ہے طبیعت کیسی کیسا ہے مزاج
بد مزاجی اہل زر کی شان ہے | شوقؔ ناداروں کا بیجا ہے مزاج

کب ہے ممکن عشق صادق کا علاج کہتے ہیں سب اس مرض کو لاعلاج
جب محبت کا مرض ہے لا علاج اس کی پھر کیسی دوا کیسا علاج
قتل بسمل سب سے ہے اچھا علاج اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا علاج
تجکو سر سمجھا نے کا سودا ہوگیا پہلے اے ناصح تو کر اپنا علاج
فکر درماں ہے عبث اے چارہ گر شربت دیدار ہے میرا علاج
اب شفا ہے شافی مطلق کے ہاتھ ہو چکا حاذق طبیبوں کا علاج
دیکھنے بھی آئے تو غیروں کے ساتھ واہ تم نے یہ کیا اچھا علاج
شہرہ آفاق ہیں آپ اے مسیح ہے ہمارے درد دل کا کیا علاج
اٹھ گئے بالیں سے میرے سب طبیب کہہ کے اب ان میں ہے کیا اب کیا علاج
ہو شفا کیا مجھ مریض عشق کو الٹی پلٹی ہے دوا الٹا علاج
شوقؔ جب لکھی ہے میں نے یہ غزل مجکو استسقا تھا ہو تا تھا علاج

کچھ ایسی اے دل آہ پر اثر کھینچ
چلے ہیں غیر کے گھر وہ ادھر کھینچ

مری تصویر اے مانی اگر کھینچ
تو آشفتہ پریشاں نوحہ گر کھینچ

کہاں ہے اے دعائے صبح گاہی
بڑھا کر ہاتھ داماں اثر کھینچ

انہیں معراج الفت ہو گی حاصل
خوشی سے عاشقوں کو دار پر کھینچ

ابھی کچھ ہو رہی ہیں دل سے باتیں
ابھی ناوک نہ اے بیداد گر کھینچ

قد جاناں نہیں دیکھا ہے اے سرو
نہ اپنے آپ کو تو اس قدر کھینچ

مریض عشق کب اچھا ہوا ہے
مرے درماں سے ہاتھ اے چارہ گر کھینچ

رہے کچھ تو نشان بادہ خواری
لحد پر سائباں اے ابر تر کھینچ

حسینوں سے جو کی ہے تونے الفت
تو اب خمیازہ اے دل عمر بھر کھینچ

گلوں کے کان بلبل جس سے کھل جائیں
اک ایسی آہ ہنگام سحر کھینچ

بہت نازک مزاج دلربا ہے
سمجھ کر شوقؔ آہ پر اثر کھینچ

میری آنکھوں میں ہیں وہ گھر کی طرح
سب سے پوشیدہ ہیں نظر کی طرح

دل دے آیا ہے کیا یہ خط کے عوض
اب ہے کچھ اور رنامہ بر کی طرح

یاس وحسرت کی خاک اڑتی ہے
بے ترے دل ہے اجڑے گھر کی طرح

سنگ اسود یہاں سویدا ہے
دل ہے زاہد خدا کے گھر کی طرح

پارۂ دل نہ ہوں جو آہ کے ساتھ
ہے وہ اک نخل بے ثمر کی طرح

کیوں نہ وہ محولن ترانی ہوں
چشم عاشق میں ہیں نظر کی طرح

کشور عشق میں مرے آنسو
آبرو رکھتے ہیں گہر کی طرح

اب نکلتی نہیں جو دل سے دعا
ہو گئی کیا خفا اثر کی طرح

ہر گھڑی ہے جو گروش تقدیر
ہے حضر بھی مجھے سفر کی طرح

لاکھ پھولوں میں ایک پھول نہیں
میرے داغ دل وجگر کی طرح

دیکھ کر خلد دل بھر آیا شوقؔ
یاد آئی کسی کے گھر کی طرح

رات دن مائل جفا ہے وہ شوخ
سخت بے رحم وبے وفا ہے وہ شوخ

لعل بھی ہاتھ پاؤں چومتے ہیں
یار کی سرخی حنا ہے وہ شوخ

دل ناداں ترا وہ کیا ہوگا
کب کسی کا کبھی ہوا ہے وہ شوخ

ہے تجاہل سے پوچھنا اس کا
ورنہ سب حال جانتا ہے وہ شوخ

بجلیاں ہیں کہ شوخیاں اس کی
کس قیامت کا چلبلا ہے وہ شوخ

دیکھئے ہے وہ کس کی قسمت کا
ایک عالم کا دل ربا ہے وہ شوخ

جو سراپا وہ نور کا ٹکڑا
جلوۂ قدرت خدا ہے وہ شوخ

دیکھ کر عاشقوں کا عجز ونیاز
اور پہلے سے ہوگیا ہے وہ شوخ

یہ گیسو تیرے گرد رخ ہیں محو پیچ وخم کیونکر
تعجب ہے کہ ہندوکرتے ہیں طوف حرم کیونکر
گوار رہو مجھے شرکت غیر اے صنم کیونکر
مرے ہوتے کرو گے اور پر مشق ستم کیونکر
نہ سمجھوں خانہ دل کو گزر گاہ صنم کیونکر
سویدا ہوگیا ہے آپ کا نقش قدم کیونکر
نہیں یاد عدو یا بیوفائی یا غم دشمن
کریں کس طرح گھر دل میں کسی ظالم کے ہم کیونکر
غم ورنج والم لاکھوں بھرے ہیں خانہ دل میں
جو یاد یار آجائے جگہ دیں اس کو ہم کیونکر
تماشاہی سمجھ کر دیکھنے کو آپ آجائیں
نکلتا ہے کسی بیمار کا رک رک کے دم کیونکر
نہایت پاک دامن تھے وہ میرا نام کیوں لیتے
کسی کے وعدے پر کھاتے مرے سر کی قسم کیونکر
قلم کاغذ سمجھ جائیں گے راز عشق کی باتیں
جدائی میں کروں کچھ حال دل اپنا رقم کیونکر
لحد تک تو عزیز احباب لائے شوق کاندھوں پر
یہاں سے منزل مقصود کو جائیں گے ہم کیونکر

———

کھل گئے مثل غنچہ ہم رخ کی بہار دیکھ کر
پڑ گئے پیچ میں مگر گیسوئے یار دیکھ کر
خوش ہے خیال یار آج نقش ونگار دیکھ کر
داغ کے پھول دیکھ کر دل کی بہار دیکھ کر
زاہد خشک میں نہیں شیخ زمانہ میں نہیں
نیچی نگاہ کیوں کروں جلوۂ یار دیکھ کر
نوک مژہ کی چھیڑ چھاڑ دشت میں یاد آگئی
دل میں کھٹک سی ہوگئی کاوش خار دیکھ کر
داغ جگر کسی کے آج آگئے یاد کیا تمہیں
روتے ہو زار زار کیوں شمع مزار دیکھ کر
میری بھی کچھ سنو گے تم کہتے ہو کیا یہ واعظو
خلد کی آرزو کروں کوچہ یار دیکھ کر
کیوں نہ ہو میرے دل میں داغ آتی ہے صاف بوئے غیر
پھولے سماتے وہ نہیں پھولوں کے ہار دیکھ کر
اور کسی کو حشر میں تاب نظارہ ہو گی کیا
کھا گئے غش کلیم جب جلوۂ یار دیکھ کر
شوق تیری نگاہ کی خاک نکلتیں حسرتیں
ہو گئی آپ بے خودی جلوۂ یار دیکھ کر

ٹپکی جو شوخیوں کی ادا سر سے پاؤں تک
ڈوبی عرق میں ان کی حیا سر سے پاؤں تک
کچھ کچھ کسی کی قامت موزوں کا ہے جو اب
سروِ چمن کو دیکھ لیا سر سے پاؤں تک
پا بوسی حنائے کف پا کے شوق میں
آئی ہے ان کی زلف رسا سر سے پاؤں تک
پروانے سے یہ کہتی ہے رورو کے شمع آج
سوز دروں نے پھونک دیا سر سے پاؤں تک
یہ بھی تھی اک ادا کہ وہ آئے کس کے پاس
اوڑھے ہوئے ردائی حیا سر سے پاؤں تک
رنگ اثر میں بھی مرے خون جگر میں بھی
ڈوبا ہوا ہے تیر دعا سر سے پاؤں تک
کس پیچ میں پڑی ہے نزاکت کی جان آج
صدقے تو ہو چکی ہے حیا سر سے پاؤں تک
موزوں ہے سرو سے بھی تمہارا نہال قد
تار نظر نے ناپ لیا سر سے پاؤں تک
وحشت نے بعد مرگ بگولا بنا دیا
چکر میں ہے غبار مرا سر سے پاؤں تک
روشن اسی سے ہے یہ ہمارا چراغ دل
اے شوقؔ ہے جو نور خدا سر سے پاؤں تک

برنگ نکہت گل اوڑ گیا چمن کا رنگ — جما جو نالۂ مرغان نغمہ زن کا رنگ
خزاں میں خاک اوڑا کر صبا یہ کہی ہے — نہ وہ گلوں کی ہے رنگت نہ وہ سمن کا رنگ
کہیں شفق کہیں لالہ کہیں گلاب ہوا — اوڑا شہید وفا کے جو کچھ کفن کا رنگ
گلوں کا جوش بہار چمن نہ پھر یاد آئے — جو دیکھ لے کہیں بلبل ترے بدن کا رنگ
ہزاروں رنگ کی کلیاں ہیں باغ عالم میں — مگر کچھ اور ہے اس غنچہ دہن کا رنگ
شب فراق میں نکلا جو دل سے دود سیاہ — نظر میں چھا گیا اس زلف پرشکن کا رنگ
کہاں وہ یاروں کا غنچہ کہاں یہ مجمع غیر — بدل گیا کسی گل کی سب انجمن کا رنگ
جو نغمہ زن ہے مری عندلیب فکر اے شوق — چمک گیا ہے گل گلشن سخن کا رنگ

گیا ساتھ ان کے یوں خوش خوش مرا دل — نہ تھا گویا کبھی کا آشنا دل
بتوں کا دم بھرا کرتا ہے دن رات — نہ دے کافر کو بھی ایسا خدا دل
جو میں عاشق ہوا ناصح تجھے کیا — خوشی میری مری خواہش مرا دل
نہیں رہتا ہے دم بھر اک روش پر — مزاج یا رہے گو یا مرادل
چرا کر لے گیا دزد حنا کیا — ابھی تھا میرے پہلو میں مرا دل
یہ ڈالا تفرقہ الفت نے اے شوق — جدا میں دل سے ہوں مجھ سے جدا دل

گریباں آستیں دامن سے کیا کام ترے وحشی کو پیراہن سے کیا کام
ملاؤ گے گلے خنجر کو شاید تمہیں ورنہ رگ گردن سے کیا کام
وہ میرے دل میں رہتے ہیں شب و روز مجھے اب وادی ایمن سے کیا کام
تجرد میں ہوں مثل نکہت گل غرض پھولوں سے کیا گلشن سے کیا کام
نہیں تھے دوست اگر در پردہ اے جان تمہیں پھر ماتم دشمن سے کیا کام
کسی کی نوک مژگاں سے ہے صد چاک جگر کو بخیہ سوزن سے کیا کام
بتوں سے یہ بھی تنگ آئے ہیں ورنہ لب ناقوس کو شیون سے کیا کام
طبیعت جس کی چاہے وہ ستا لے میں اک تصویر ہوں شیون سے کیا کام
فروزاں داغ دل رہتے ہیں اے شوقؔ ہیں شمع سر مدفن سے کیا کام

زلف میں اب دل جو اولجھاتے ہیں ہم آپ سر پر یہ بلا لاتے ہیں ہم
اے خیال یار دل بہلا ذرا آج تنہائی سے گھبراتے ہیں ہم
ان بتوں کو گھورنا اچھا نہیں دیکھ اے دل تجکو سمجھاتے ہیں ہم
اپنی آہوں نے دکھایا یہ اثر آج کچھ بیتاب انہیں پاتے ہیں ہم
آگ وہ دل میں لگی بجھتی نہیں لاکھ اشک آنکھوں سے برساتے ہیں ہم
حد سے جب مشق تصور بڑھ گئی ہر دم اپنے پاس انہیں پاتے ہیں ہم
ہائے یہ کہنا کسی کا ناز سے شوقؔ اب دل تھام لو جاتے ہیں ہم

خبر ہے ڈھونڈنے والو وہ کس منزل میں رہتے ہیں
سراپا آرزو بن کر کس کے دل میں رہتے ہیں

جو پامال اس کو کرتے ہو کرو لیکن سمجھ رکھو
تمہارے ہی تو ارماں آج کل اس دل میں رہتے ہیں

نقاب الٹو کہیں جھگڑا چکے گبر و مسلماں کا
کہ اک مدت سے یہ جنگ حق و باطل میں رہتے ہیں

دھڑکتا ہے کلیجا بدگمانی بڑھتی جاتی ہے
سنا ہے آج کل وہ غیر کی محفل میں رہتے ہیں

اگر کچھ جھوٹ سمجھے ہو شب فرقت کی کیفیت
تم اپنی یاد سے پوچھو کہ کس مشکل میں رہتے ہیں

جو رکھتے ہو ارادے وہ چھپیں گے کیا چھپانے سے
کہ ہم یاد عدو بن کر تمہارے دل میں رہتے ہیں

شب غم چین آتا ہے نہ اپنا دم نکلتا ہے
تمہارے وعدۂ دیدار سے مشکل میں رہتے ہیں

یہ کچھ اچھا نہیں اے درد اٹھنا بیٹھنا تیرا
لحاظ اس کا نہیں تجکو کہ وہ اس دل میں رہتے ہیں

اگر ایفا نہ کرنا ہو تو یونہیں جھوٹ سچ کہہ دو
کہ لاکھوں لطف پر بھی وعدۂ باطل میں رہتے ہیں

تمنائے شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی
کہ ہم اکثر لہو بن کر رگِ بسمل میں رہتے ہیں

جو آنکھوں سے ہوا کرتی ہیں باتیں غیر کیا سمجھیں
اشارے میرے اور ان کے بھری محفل میں رہتے ہیں

سمجھتے ہیں یہی دل میں جو جلتے ہیں یہ پروانے
کہ نورِ شمع کے پردے میں وہ محفل میں رہتے ہیں

عبث اے شوقؔ تم بے سمجھے بوجھے آہ کر بیٹھے
تمہیں دیکھو وہ بے تابی سے کس مشکل میں رہتے ہیں

بزم میں ناز سے جس پر وہ نظر کرتے ہیں
گردش چشم سے دل زیر وزبر کرتے ہیں

نالے کرتے ہیں تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
نام ہے شوق دل یار میں گھر کرتے ہیں

کس مصیبت سے شب ہجر بسر کرتے ہیں
ہائے دل ہائے جگر کہہ کے سحر کرتے ہیں

وہ جو ہر دم نگہ ناز ادھر کرتے ہیں
اور ہی تاک میں ہیں دل میں وہ گھر کرتے ہیں

عشق صادق ہو تو فریاد بھی دیتی ہے مزا
درد دل میں ہو تو نالے بھی اثر کرتے ہیں

شب بھر الجھن سی رہا کرتی ہے دن بھر وحشت
زلف ورخ یاد جو ہم شام وسحر کرتے ہیں

دوقدم چل کے دکھا دیجئے محشر کا سماں
فلسفی حشر کا انکار اگر کرتے ہیں

سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہیں جو محفل میں آج
دیکھئے وہ نظر لطف کدھر کرتے ہیں

آئینہ دیکھ کے وہ ناز سے بولے ہنس کر
دل عشاق میں بھی ہم یونہی گھر کرتے ہیں

ہے وہی دل کی لگی اور وہی سوزش داغ
لاکھ رورو کے عدو دیدۂ تر کرتے ہیں

رشتہ تار نظر میں انہیں الجھائیں گے
دیکھئے آج وہ کیا فکر کمر کرتے ہیں

تیری تصویر یہ کہتی ہے کہیں کچھ بھی نہیں
ہم جدھر عالم صورت میں نظر کرتے ہیں

نازکی کہتی ہے للہ سنبھالو اس کو
ہار پھولوں کے جو وہ زیب کمر کرتے ہیں

یہی کہہ کہہ کے بڑھاتا ہوں میں دل کی ہمت
اب کوئی دم میں ترے نالے اثر کرتے ہیں

تاب نظارہ نہیں پھول سے رخساروں کو
ہم انہیں چشم تصور سے نظر کرتے ہیں

روئیں کیا ہم کہ اٹھاتے ہیں احبا طوفاں
آنسوؤں سے سر مژگاں بھی جو تر کرتے ہیں

عجب انداز حسینان فسوں گر کے ہیں
پہلے آنکھوں میں تو پھر دل میں یہ گھر کرتے ہیں

نالہ شعلہ فشاں کھینچنے کا عزم ہے آج
اے فلک ہم تجھے پہلے سے خبر کرتے ہیں

عرش ہل جائے زمیں کیا ہے فلک کیا ہے شوق
ضبط ہم نالہ پر درد مگر کرتے ہیں

آہ کرنا دل حزیں نہ کہیں   قد ڈھادے گی یہ کہیں نہ کہیں
کچھ ہنسو بولو اب حیا نہ کرو   کہ گذر جائے شب یونہیں نہ کہیں
نہیں بیکار طفل اشک مرے   کام آجائیں گے کہیں نہ کہیں
اور ہے دل چرانے والا کون   ہوتری چشم سرگیں نہ کہیں
کون پہلو میں آہ کرتا ہے   ہو ہمارا دل حزیں نہ کہیں
شوخیاں تم جو کرتے ہو دم قتل   خون میں تر ہوآستیں نہ کہیں
دل تو حاضر ہے صرف ہے یہ خیال   کہ کرو تم چناں چنیں نہ کہیں
حق سے کرتے تو ہیں گلہ ان کا   ٹھہریں مجرم مگر ہمیں نہ کہیں
جس کو کہتے ہیں آنکھ کا تارا   ہو ہمارا وہ مہہ جبیں نہ کہیں
آنکھوں میں تم چھپوگے یادل میں   ڈھونڈ لیں گے تمہیں کہیں نہ کہیں
کوئی لوٹا گیا حسینوں میں   شوقؔ کا ہو دل حزیں نہ کہیں

وہ رہ رہ کر بگڑتے ہیں ہوا سے آج لڑتے ہیں
خدا جانے کہ نالے ان سے کیا کیا جا کے جڑتے ہیں
عجب جوبن برستا ہے کسی سے جب وہ لڑتے ہیں
ادائیں بھی بلائیں لیتی ہیں جس دم بگڑتے ہیں
خرام ناز سے پامال کر دو چل کے گلشن میں
بہت سرو صنوبر اپنی قامت پر اکڑتے ہیں
دیا دل جس کو جی چاہا طبیعت اپنی مال اپنا
عبث رہ رہ کے ہم سے حضرت ناصح جھگڑتے ہیں
عجب کیا نخل دل پر آفت آئے اپنی آہوں سے
ہوا جب تند چلتی ہے تو پیڑ اکثر اوکھڑتے ہیں
چلے ہو کھول کر زلفیں کمر کا اب خدا حافظ
سمند ناز پر کیا تازیانے آج پڑتے ہیں
دل دیوانہ اپنی آہ پر جب بل کی لیتا ہے
بگڑ کر اور وہ زنجیر گیسو میں جکڑتے ہیں
خزاں نے باغ لوٹا پھول توڑے دست گلچیں نے
پریشاں بوئے گل ہے بلبلوں کے گھر اجڑتے ہیں
لگا کر ٹھوکریں کیوں تربت عاشق مٹاتے ہو
تمہارے گیسوئے پر پیچ دیکھو پاؤں پڑتے ہیں
زمیں پر گر پڑے نکلے جو طفل اشک آنکھوں سے
ہوئی برباد مٹی ایڑیاں آخر رگڑتے ہیں
کسی شمشاد گلزار سخن کا پڑ گیا سایہ
کہ آج اے شوقؔ اپنی نظم موزوں پر اکڑتے ہیں

شیخ جی بیٹھے ہیں کیوں آپ بھی کچھ کر دیکھیں
ان بتوں میں بھی تو ہے شان خدا مر دیکھیں
حضرت عشق ہمیں تنگ کریں گے کب تک
چھوڑدیں خانہ دل اور کوئی گھر دیکھیں
پردہ کرنے کو تو کرتے ہیں ابھی وہ لیکن
کس طرح چھپتے ہیں ہم سے سر محشر دیکھیں
اپنی آنکھوں میں سمایا ہے کوئی اے رضوان
نگہہ شوق سے ہم حور کو کیوں کر دیکھیں
نزع میں چھوڑ کے وہ اٹھ گئے بالیں سے مرے
نہ ہوئی اتنی بھی توفیق کہ مڑ کر دیکھیں
کیا عجب ہے کہ کمی اس کی تڑپ میں ہو جائے
ہاتھ دل پر مرے وہ رکھ کے جو دم بھر دیکھیں
آپ جب پردہ نشیں بن کے رہے ہیں دل میں
آپ ہی کہیئے کہ ہم آپ کو کیونکر دیکھیں
عرصۂ حشر میں شوقؔ حزیں بھی حاضر
اس طرف آپ ذرا شافع محشر دیکھیں

حال اس کا کہیں زلفوں میں پھنسا کر دیکھیں
دل ستا تا ہے ہمیں ہم بھی ستا کر دیکھیں

امتحاں صبر کا میرے وہ ذرا کر دیکھیں
اف کروں گا نہ کبھی خوب جفا کر دیکھیں

کس طرح حسرت وارماں کا نکلتا ہے دم
وہ مرے خانہ دل میں کبھی آ کر دیکھیں

نذر دل کر چکے اب جان بھی اپنی دیدیں
یہ بھی اک فرض ہے اس کو بھی ادا کر دیکھیں

مرنے والے جو ہیں سو بار مریں گے جی کر
لب اعجاز نما سے وہ جلا کر دیکھیں

چین سے محفل اغیار میں وہ بیٹھے ہیں
جی میں آتا ہے کہ ہم آہ رسا کر دیکھیں

مٹنے والے کا تو نام اور بھی اونچا ہو گا
تربت عاشق بے کس وہ مٹا کر دیکھیں

اس نے ملنے کا قیامت میں کیا ہے وعدہ
اپنے نالوں سے ہم اب حشر بپا کر دیکھیں

اپنی آنکھوں میں شب قدر ہے زلفوں کا خیال
ان کے دیدار کی ہم آج دعا کر دیکھیں

ہاتھ ان کا کبھی رکھنے سے ٹھہرنے کا نہیں
امتحان دل بے تاب ذرا کر دیکھیں

مانتا ہی نہیں دل عشق بتاں کیا چھوڑوں
حضرت شیخ مرے حق میں دعا کر دیکھیں

کہیں نقد دل عاشق کا پتہ آج نہیں
آپ کچھ دزد حنا کی تو سزا کر دیکھیں

سنتے ہیں اور ہی جلوہ نظر آتا ہے شوقؔ
آپ بھی عشق بتاں بہر خدا کر دیکھیں

کون ہے آئینہ چشم تمنائی میں
آج حیرت سے جو ہے دیدۂ بینائی میں

ان کا آیا جو تصور شب تنہائی میں
درد تعظیم کو اٹھا دل شیدائی میں

حسرتیں آج بھری ہیں دل شیدائی میں
آپ آئے ہیں کہاں عالم تنہائی میں

ناز سے ہاتھ جو اٹھے ادھر انگڑائی میں
پڑ گیا طوق ادھر گردن سودائی میں

آئینہ آگے جو رکھا ہے سنورنے کے لئے
کہیں دھبہ نہ لگے آپ کی یکتائی میں

زندہ کر دو گے جو تم حسرت مردہ کو مرے
جان پڑ جائے گی اعجاز مسیحائی میں

کس طرح مردم دیدہ سے کرو گے پردہ
چھپ کے رہتے تو ہو تم چشم تمنائی میں

اتنا سمجھا دو تو تصور کو تم اپنے اے جان
آ کے بہلائے مرا دل شب تنہائی میں

ہو چکی بزم عزا اوٹھ چکے عاشق کے پھول
آپ مصروف ابھی تک ہیں خود آرائی میں

میرا شکوہ جو سر بزم کیا کرتے ہو
ہے تمہاری بھی تو ذلت مری رسوائی میں

شیشۂ دل کو مرے توڑ کے نکلی تو ہے آہ
کہیں محبوس نہ ہو گنبد مینائی میں

فتنہ حشر بھی لیتا ہے بلائیں اٹھ کر
کس قیامت کی ادا ہے تری انگڑائی میں

تجھ سے اے آہ بہلتی ہے طبیعت میری
تو کہاں چھوڑ چلی ہے شب تنہائی میں

تو نے اے ضبط فغاں خانہ دل پھونک دیا
آگ لگ جائے ترے صبر و شکیبائی میں

نالہ و آہ کی اک بھیڑ لگی ہے اے شوق
لطف دیتا ہے یہ مجمع شب تنہائی میں

حیرت زدہ ہیں اہل نظر بولتے نہیں ۔۔۔ سب کچھ یہ دیکھتے ہیں مگر بولتے نہیں
میدان حشر میں مرے قاتل کی ہے تلاش ۔۔۔ کیوں یہ وہاں زخم جگر بولتے نہیں
اچھی نہیں گلوں سے یہ غمازیاں صبا ۔۔۔ اچھے جو ہیں ادھر کی ادھر بولتے نہیں
سرمہ کھلا دیا تری چشم سیاہ نے ۔۔۔ کچھ طفل اشک دیدۂ تر بولتے نہیں
سمجھیں گے غیر کیا یہ محبت کے راز ہیں ۔۔۔ جھگڑوں میں وہ کبھی جوادھر بولتے نہیں
خودخوں فشانیوں سے ٹپکتا ہے رنگ درد ۔۔۔ مانا کہ منہہ سے زخم جگر بولتے نہیں
کیا منہہ بھی سی دیئے ترے تارنگاہ نے ۔۔۔ کیوں کشتگان تیغ نظر بولتے نہیں
وہ نوک تیر دل میں مرے ڈھونڈتے ہیں آہ ۔۔۔ ہنستے ہیں میرے زخم جگر بولتے نہیں
پائیں گے کیا عدو مرا رنگ کلام شوقؔ ۔۔۔ زاغ و زغن ہزار کا گھر بولتے نہیں

کلام والے ہیں واعظ زبان والے ہیں
برا بھلا نہ کہیں کیوں زبان والے ہیں

کسی غریب کی فریاد کو وہ خاک سنیں
بلند قدر ہیں اونچے مکان والے ہیں

ہزاروں قتل ہوئے جب بل آئے آبرو پر
ستم کی تیر وہ بانکی کمان والے ہیں

کسی اسیر قفس کے نہ توڑ پر صیاد
نہ ایسی دکھ دے کہ آخر وہ جان والے ہیں

گلوں نے کچھ نہ سنا بلبلوں کا چلا نا
ہوائی بات یہ ٹھہری کہ کان والے ہیں

خدا کی شان کا نظارہ ان کو ہے مطلوب
جو اور دل سے حسینوں کے دھیان والے ہیں

وہ شاد ماں مجھے مقتل میں دیکھ کر بولے
اک آپ ہی تو بڑے امتحان والے ہیں

زکوٰۃ حسن نہ دیں جب تو ان کو کیا کہیئے
ہزار ہیں وہ سخی لاکھ دان والے ہیں

نہیں مسیح سے ممکن علاج دردجگر
کہ ہم زمین کے وہ آسمان والے ہیں

جناب پیر مغاں کی ادھر ہو خاک نگاہ
کہ شان والے ہیں اونچی دکان والے ہیں

جو قسمتوں سے پڑے ہیں تمہارے کوچہ میں
مٹے ہوئے ہیں مگر پھر بھی شان والے ہیں

وہاں جواب یہ ملتا ہے بات بات پر اب
اک آپ ہی تو نرالے زبان والے ہیں

کچھ اس طرح فلک اہل زمیں سے پیش آیا
کہ منہہ چھپائے ہوئے آسمان والے ہیں

بتوں کو مجھ سے خموشی تمام عمر رہی
غرض یہ لوگ بڑی آن بان والے ہیں

وہ اب ملیں تو یہ کہدوں نہ ملئے بندہ نواز
میں اک فقیر ہوں اور آپ شان والے ہیں

جو تم کو جانتے ہیں اور بھی ہیں مشکل میں
یقین والوں سے بہتر گمان والے ہیں

ہماری قدر حسینوں میں ہو تو کیونکر ہو
کہ شان والے نہ کچھ آن بان والے ہیں

خدا کا شکر عقائد ہیں اپنے حق اے شوقؔ
نہ نیچری ہیں نہ ہم قادیان والے ہیں

نہ سمجھے بزم میں کچھ چشم ساقی کے اشاروں کو
نگاہ مست کو آخر چھکا یا بادہ خواروں کو
کدورت سے ملا یا خاک میں تم نے ہزاروں کو
لگا کر ٹھوکریں اب کیا مٹاتے ہو مزاروں کو
چمن کو دیکھ کر ہم روئے خوب اگلی بہاروں کو
جگر کے داغ یاد آئے جو دیکھا لالہ زاروں کو
مرے پھولوں میں وہ بولے جو دیکھا سوگواروں کو
لحد ہی میں ملا کرتا ہے چین آفت کے ماروں کو
وہ کیا تسکین خاطر کی کوئی صورت نکالیں گے
وہ جب شوخی سے تڑپاتے ہیں اپنے بے قراروں کو
یہی ڈر ہے نہ کوئی بات غیروں میں نکل جائے
الٰہی دے لب تصویر میرے رازداروں کو
جگر دل آرزو ارمان فرقت میں تڑپتے ہیں
کوئی آ کر تسلی دے دے اپنے بے قراروں کو
ڈبوئی آبروے راز الفت میرے اشکوں نے
اوبلنے کے لئے کس نے کہاان پردہ داروں کو
رہو آنکھوں میں دل میں نور بن کر آرزو ہو کر
کرو آباد تم اے جاں ان اجڑے دیاروں کو
خزاں نے باغ کو لوٹا نہ وہ گل ہیں نہ وہ غنچے
قفس میں رو رہی ہیں بلبلیں اگلی بہاروں کو

دل رمز آشنا ہی کچھ حقیقت کو پہنچتا ہے
کوئی سمجھے گا کیا چشم فسوں گر کے اشاروں کو

برا ہو بے قراری کا گرا کر اشک مژگاں سے
ملایا خاک میں اس نے مرے آنکھوں کے تاروں کو

تمہارے وعدۂ فردا میں پہلو ہے قیامت کا
تسلی ہو تو کیوں کر ہو تمہارے بے قراروں کو

پڑی ہوئی بجھی نار جہنم دور جنت سے
یہی لپکا ہے رونے کا جو تیرے اشک باروں کو

تری فرقت میں اے ساقی یہ میخانہ جہنم ہے
مئے گل رنگ کا شیشہ ہے شعلہ بادہ خواروں کو

جو پھولوں میں وہ آئے ہیں تو شوخی سے بڑھاتے ہیں
وہ اپنے بے قراروں سے ہمارے سوگواروں کو

کہاں کا عزم ہے ان کا جو تیری تیغ اے قاتل
گلے مل مل کے رخصت کر رہی ہے جاں نثاروں کو

زمین گور غریباں کی برابر ہو تو کیوں کر ہو
ملا کب چین مرنے پر لحد میں بے قراروں کو

الٰہی عاصیوں کو شان رحمت اپنی دکھلا دے
بہت غرا ہے اپنے زہد پر پرہیز گاروں کو

اسی امید پر اے شوق ہم اب جان دیتے ہیں
دکھائیں گے وہ جلوہ حشر میں امیدواروں کو

جو دامن رکھ دو آنکھوں پر تو پھر آنسو رواں کیوں ہو
بجھا دو تم اگر دل کی لگی لب پر دھواں کیوں ہو
جو دل میں چھپ کے بیٹھے ہو تو مجھ سے بدگماں کیوں ہو
اگر آنکھوں میں رہتے ہو تو نظروں سے نہاں کیوں ہو
کہاں تک ضبط نالوں سے تہہ و بالا کروں عالم
زمیں قدموں کے نیچے کیوں ہو سر پر آسماں کیوں ہو
میرے گھر جب تم آئے ہو تو اتنی دور کیوں بیٹھے
ادھر آؤ اودھر کیا ہے یہاں بیٹھو وہاں کیوں ہو
تمہیں میرا دل بے تاب تڑپاتے ہو پہلو میں
تمہیں پھر مجھ سے کہتے ہو کہ سرگرم فغاں کیوں ہو
کہو بہر خدا مرگ عدو کی کیا خبر پائی
پریشاں آج تم ایسے نصیب دشمناں کیوں ہو
مرے ہوتے ہوئے کیوں غیر کی محفل میں رہتے ہو
تمہارا گھر مرا دل ہے یہاں آؤ وہاں کیوں ہو
تصور میں بھی تم آئے تو ساتھ اغیار کو لائے
تم اپنے چاہنے والے سے اتنا بدگماں کیوں ہو
وہ کہتے ہیں مجھے کیوں حسرتوں نے گھیر رکھا ہے
کوئی پوچھے کسی کے دل میں آخر میہماں کیوں ہو
ہمارا کیا قصور اس میں جو تم کو پیار کرتے ہیں
حسینوں میں حسیں کیوں ہو جوانوں میں جواں کیوں ہو
کسی نے آج ملنے کا کیا ہے تم سے کیا وعدہ
سر میدان محشر شوقؔ ایسے شادماں کیوں ہو

نہ چھیڑ اے دل تو آہ پر اثر کو رولاوے گی کسی بیدادگر کو
اثر سے تیرے باز آئے ہم اے آہ وہ پہروں سے دبائے ہیں جگر کو
کہاں کی آگ کیسے ہفت دوزخ خدا رکھے سلامت چشم ترکو
خدا را ٹھہرو پھر چلمن اوٹھانا ذرا ہم تھام لیں اپنے جگر کو
نہ آیا چین دم بھر بھی شب وصل یہی تھا دھیان کیا ہوگا سحر کو
نقاب اپنی اٹھاتے ہیں وہ رخ سے سنبھالوں اپنے دل کو یا جگر کو
یہی کہہ کہ کے اب رونا پڑا شوقؔ دیا دل کیوں کسی بیدارد گر کو

کیوں پریشاں اے جاں کھلے سر کیوں ہو غیر کا حال ہے کیا غیر مکدر کیوں ہو
ستم وجور کے فریاد سے ہم گذرے ایسے گھبرائے ہوئے تم سیر محشر کیوں ہو
میں نے مانا کہ یہ بے تاب رہا کرتا ہے پھیر دو مجھ کو مرا دل تمہیں دو بھر کیوں ہو
اور بھی روح پریشاں ہوئی جاتی ہے بال بکھرائے ہوئے میری لحد پر کیوں ہو
ناز سے ہاتھ جو رکھ دو تو ابھی ہو تسکیں تم علاج دل بیتاب میں ششدر کیوں ہو
اے مرے جذبۂ دل اور ٹھہر جا دم بھر شرم آتی ہے کہ بے پردہ وہ باہر کیوں ہو
دل دکھادیتی ہیں آہیں تو خطا کیا میری تمہیں انصاف سے سوچو کہ ستم گر کیوں ہو
آج کچھ اور ہی ساماں نظر آتے ہیں دل دھڑکتا ہے کہ بدلے ہوئے تیور کیوں ہو
رنگ چہرے کا تو کچھ اور کہے دیتا ہے سچ کہو شوقؔ پریشاں سراسر کیوں ہو

زمانے نے دگرگوں کر دیا یاروں کی مجلس کو
پریشاں آج اپنے حال میں ہے دیکھئے جس کو

مرے دل کی اگر خواہش ہے لے لو شوق سے اس کو
مگر اس میں ہیں لاکھوں زخم ٹانکے دو گے کس کس کو

چمن کی سیر کرنے کو جب آئے پھر حیا کیسی
تمہارے دیکھنے کی تاب کب ہے چشم نرگس کو

کچھ ایسی چوٹ لگتی ہے کلیجا تھام لیتا ہے
نگاہ ناز سے وہ دیکھتے ہیں بزم میں جس کو

گرہ میں زر نہیں پھر بھی نظر اپنی حسینوں پر
زمانے میں کوئی کب پوچھتا ہے مرد مفلس کو

یہ سمجھانا نہیں اے شیخ جی قصہ بڑھانا ہے
مرا سر پھر گیا بک بک سے اب بھی تم کہیں کھس کو

چڑھا ہے زہر جن جن پر تمہارے مار گیسو کا
نہیں کچھ بھی سمجھتے ہیں وہ کالے ناگ کے بس کو

اوٹھاتے ہو انہیں جو لوگ تم پر مرنے والے ہیں
مگر تم اپنی مجلس مین جگہ دیتے ہو جس تس کو

خدا نے دیکھنے کو مدح قدرت کرنے سننے کو
زبان سوسن کو دی ہے کان گل کو آنکھ نرگس کو

یہ کیوں کر دل چمک اٹھے خیال روئے روشن سے
کہ دم بھر میں بنا دیتی ہے سونا کیمیا مس کو

اس کم بخت دل نے ہم سے آخر بے وفائی کی
سمجھتے تھے طریق عشق میں غم خوار ہم جس کو

خموشی کے سوا رکھتی نہیں انداز معشوقی
کوئی چومے کہ لپٹائے تری تصویر بے حس کو

جناب شیخ کی اچھی خبر لی آج رندوں نے
یہ ہے انجام اس کا جو نہ دیکھے رنگ مجلس کو

وہی اشعار جن میں لطف کچھ رہتا ہے رکھتے ہیں
غزل میں شوقؔ ہم بھرتے نہیں ہر رطب و یابس کو

نیم جان رکھتی ہے کیوں اپنی ادا سے پوچھو ہم تو طیار ہیں مرنے کو قضا سے پوچھو

جس نے دیکھا تمہیں جی بھر کے بھی دیکھا صاحب یہ تو اپنی نگہہ مہوش ربا سے پوچھو

دل بے تاب ہمیں حسن جہاں تاب تمہیں کیوں دیا چل کے قیامت میں خدا سے پوچھو

خاک ہو کر بھی تو کوچہ میں تمہارے نہ رہے کیسے برباد ہوئے بادصبا سے پوچھو

جس کو ہر روز کہا کرتے تھے مرجاؤ تم مرگیا آج وہی اہل عزا سے پوچھو

نہ دغاباز سہی تم نہ ستم گار سہی ہم نے تو مان لیا خلق خدا سے پوچھو

غیر کا حال تو دیکھا یہ کہ دیکھا نہ گیا مرے بارے میں تو کچھ اپنی ادا سے پوچھو

موت اچھی ہے شب ہجر کہ جینا اچھا یہ کسی اپنی گرفتار بلا سے پوچھو

اس کے کوچہ کا پتہ پوچھو تو سب کہتے ہیں ہم سے کیا پوچھتے ہو اپنی قضا سے پوچھو

منع کرتے نہیں ہم غیر کے گھر جانے سے یہ گوارا ہے اسے اپنی حیا سے پوچھو

چاہ کہتے ہیں کسے ہوتی ہے الفت کیسی شوق کی طرح کسی مرد خدا سے پوچھو

نالے بے تاب ہیں سینے سے نکلنے کے لئے — کوئی کہہ دے کسی ظالم کو سنبھلنے کے لئے

چشم عاشق کے ہوں آنسو کہ کسی کا جوبن — بڑھ چلیں لاکھ مگر دونوں ہیں ڈھلنے کے لئے

خانہ دل میں رہو تم جو یہاں جی گھبرائے — چلے آنا مری آنکھوں میں ٹہلنے کے لئے

شوخیاں ان کی سر بزم حیا سے بولیں — تجکو محفل سے ہوا حکم نکلنے کے لئے

در د تعظیم کو پہلو سے نہ کیونکر اوٹھے — دل میں آتا ہے کلیجا کوئی ملنے کے لئے

کبھی میرا کبھی ان کا جو ہے شکوہ دل کو — ڈھونڈتا ہے کوئی پہلو یہ مچلنے کے لئے

اے مرے جذبہ دل وقت مدد آپہونچا — گھر سے وہ آج نکلتے ہیں ٹہلنے کے لئے

ان کی تصویر جو چومی تو وہ جل کر بولے — اب یہ معشوق نکالا ہے بہلنے کے لئے

لاکھ رسوا ہو مگر چاہ بری ہوتی ہے — دل کو پھر ضد ہے اوسی کوچہ میں چلنے کے لئے

محفل غیر میں کیوں شمع جلائی تم نے — کیا وہاں کوئی نہ تھا رشک سے جلنے کے لئے

نامناسب ہے یہاں غیر کا رہنا شب وصل — تم اشارہ کرو اب شرم کے ٹلنے کے لئے

مرگئے ہم تو کفن دیکھ کے بولا وہ شوخ — جان دی اس نے نیا بھیس بدلنے کے لئے

حسرتیں بھر گئیں اے شوق یہاں تک دل میں — آرزو ڈھونڈتی ہے راہ نکلنے کے لئے

یہ کاہشیں کہ ہم اپنے کو آپ پا نہ سکے
یہ زور ضعف کہ ناز بتاں اٹھا نہ سکے

پس فنا مری آہوں کے وہ چلے جھونکے
کہ لوگ شمع مری قبر پر جلا نہ سکے

وہاں زخم سیا اس سبب سے قاتل نے
کہ روز حشر مرا نام یہ بتا نہ سکے

چھپا کے سینے میں گو ہم نے نقد دل رکھا
تمہاری دزد نظر سے مگر بچا نہ سکے

برنگ اشک گراہوں میں اب ترے در پر
کہ لاکھ چاہے اٹھانا کوئی اٹھا نہ سکے

ہزار ناصیہ سائی کی تیری چوکھٹ پر
جبین سے ہم خط قسمت مگر مٹا نہ سکے

ادھر ادھر انہیں ڈھونڈا برا ہو غفلت کا
گلے سے لپٹے تھے پھر بھی ہم ان کو پا نہ سکے

بھری ہوئی تھی کچھ ایسی حیا و شرم اے جان
کہ تیری آنکھوں میں ہم عمر بھر سما نہ سکے

کچھ اور نالوں سے اپنے امید کیا رکھوں
شب فراق فلک تک بھی جب ہلا نہ سکے

خیال غیر سے رکھا چھپا کے دل میں انہیں
ہم اپنے آنکھوں کے پردوں میں بھی بٹھا نہ سکے

گھڑیاں غم و حسرت کی شوقؔ سر پر تھی
اوٹھا نے والے جنازہ مرا اٹھا نہ سکے

شب فراق جو ہم آہ بھول کر کرتے
کلیجا تھام کے اف اف وہ رات بھر کرتے

یہ درد عشق ہے کیا فکر چارہ گر کرتے
ترقی اور بھی ہوتی علاج اگر کرتے

چھپاتے خاک جدائی میں درد دل اپنا
ہمارے نالہ غماز اونہیں خبر کرتے

حضور سے ہمیں کہنا ہے کچھ اشاروں میں
خدا کے واسطے آپ اک نظر ادھر کرتے

جو دل پر اپنے ہمیں اختیار کچھ ہوتا
کسی کے عشق میں کیوں آہ عمر بھر کرتے

وہ پر فضا یہ جگہ ہے کہ پھر نہ جاتے تم
ہمارے گلشن دل میں اگر گذر کرتے

ہوئے جو نام کے ہم شوقؔ بھی تو کیا حاصل
مزا یہ تھا کہ حسینوں کے دل میں گھر آتے

آنکھوں کا تارا ہے یا وہ مہہ جبیں آنکھوں میں ہے
مردمک ہے یا کوئی پردہ نشیں آنکھوں میں ہے

واعظوں کی کیا سنوں میں اک حسین آنکھوں میں ہے
حور کیا بھائے وہ شکل نازنیں آنکھوں میں ہے

رنگ لائے گی مقرر ایک دن یہ مئے کش
آج کچھ سرخی سی تیری سرگیں آنکھوں میں ہے

سچ کہو کیا محفل اغیار میں شب کی بسر
آج یہ کیسا خمار اے نازنیں آنکھوں میں ہے

کیوں گراتے ہو نظر سے عاشق جانباز کو
کچھ مروت بھی تمہاری شرگیں آنکھوں میں ہے

آرزو بن کر کہیں ہے وہ کہیں نور نگاہ
جلوہ فرما وہ کہیں دل میں کہیں آنکھوں میں ہے

ہیں زمانے سے نرالی حسن کی نیر نگیاں
شوخیاں غمزے میں غمزہ شرگیں آنکھوں میں ہے

دیکھ اے اشک رواں اتنا رہے تجھ کو خیال
مثل سرمہ خاک کوئے یار انہیں آنکھوں میں ہے

بند آنکھیں دیکھ کر حیرت ہے کیوں احباب کو
کھل کے کہتا ہوں کوئی پر دہ نشیں آنکھوں میں ہے

دل لبھا لیتے ہو دم بھر میں نگاہ ناز سے
واہ کیا جادو تمہاری شرگیں آنکھوں میں ہے

ہو نہ ہو تم نے چرایا ہے کسی بیکس کا دل
یہ حیا یہ شرم آخر کیا یونہی آنکھوں میں ہے

قتل کرنا پھر جلا دینا نگاہ ناز سے
سحر یا اعجاز جو کہئے انہیں آنکھوں میں ہے

بڑھ گئی ہے یار کی مشق تصور آج کل
کچھ دنوں سے خانہ دل کا مکیں آنکھوں میں ہے

مردمان چشم تم مژگاں کی چلمن ڈال دو
دیکھتے ہو آج اک پردہ نشیں آنکھوں میں ہے

صدقے اپنے خواب کے چھپتا تھا، جو سائے بھی
آج بے پردہ وہی پردہ نشیں آنکھوں میں ہے

کہتے ہیں کس ناز سے باہیں گلے میں ڈال کر
کیوں جی میری حسرت دیدار انہیں آنکھوں میں ہے

کیوں دم آخر نہ الجھے رشتہ تار نفس
گیسوؤں کا پیچ وقت واپسیں آنکھوں میں ہے

عمر بھر روئے مگر رونا نہ اپنا کم ہوا
نوح کا طوفان گویا تہ نشیں آنکھوں میں ہے

کوئے جاناں سے اوٹھا کر آسماں لایا کہاں
وہ گلی پیش نظر ہے وہ زمیں آنکھوں میں ہے

دیکھ کر محفل میں مجکو سر جھکا لیتے ہیں آپ
ساتھ شوخی کے حیا بھی سرگیں آنکھوں میں ہے

کیا کروں کیونکر نہ میں دیوانہ بن جاؤں ترا
سحر باتوں میں فسوں اے نازنیں آنکھوں میں ہے

ہے مرے صحرائے دل کا ایک ذرہ آفتاب
نقطہ شک سے بھی کم چرخ بریں آنکھوں میں ہے

لامکاں سمجھوں انہیں اے شوق یا عرش بریں
جلوۂ نور خدا میری انہیں آنکھوں میں ہے

نالے کرتے ہیں ہم ادھر بیٹھے　　رورہے ہیں اودھر وہ گھر بیٹھے

میرے دل میں نہ یہ اگر بیٹھے　　پھر کہاں ناوک نظر بیٹھے

دیکھ لینا جو آہ کر بیٹھے　　ہم بلا لیں گے ان کو گھر بیٹھے

آؤ پہلو میں چھوڑو شرم و حیا　　کیا بناتے ہو تم اودھر بیٹھے

تیری افشاں کی یاد میں اے ماہ　　تارے گنتے ہیں رات بھر بیٹھے

دل کو پہلو میں ڈھونڈتے کیا ہو　　ہم تو نذر نگاہ کر بیٹھے

دیکھئے خاک میں ملا کے مجھے　　روتے ہیں وہ مزار پر بیٹھے

غیر کو وہ گلوریاں دے کر　　حسرت دل کا خون کر بیٹھے

اٹھ گئے وہ جو میرے پہلو سے　　رورہے ہیں دل وجگر بیٹھے

چاند نے بھی بلائیں لیں ان کی　　وہ جو بن ٹھن کے بام پر بیٹھے

دل وہ تڑپاتے ہی رہے میرا　　کبھی پہلو میں بھی اگر بیٹھے

خانہ دل میں تم اوتر آؤ　　کیا بناتے ہو کوٹھے پر بیٹھے

ان کا دیدار اگر ہے قسمت میں　　شوق مل جائیں گے وہ گھر بیٹھے

آنکھیں رورو کے لال کر بیٹھے　　شوق تم کیا یہ حال کر بیٹھے

وہ چلے چال کس قیامت کی — دل مرا پائمال کر بیٹھے
جذب دل سے بلالیا ان کو — بیٹھے بیٹھے کمال کر بیٹھے
دیکھ کر اس کا اور ہی کچھ رنگ — خود وہ دل کا سوال کر بیٹھے
تیغ ابرو ہمیں دکھاکر آج — بے چھری وہ حلال کر بیٹھے
کیوں نہ سنتے جواب صاف کلیم — بے محل کیوں سوال کر بیٹھے
لے کے دل اٹھ گئے وہ پہلو سے — کس قیامت کی چال کر بیٹھے
خانہ دل میں گرد حسرت ہے — کوئی دامن سنبھال کر بیٹھے
دل لگی سے جو کچھ کہا میں نے — آپ اس کا خیال کر بیٹھے
لے چلا ہے وہ شوخ دل میرا — کیا عجب کوئی چال کر بیٹھے
کرلیا گھر بتوں کے دل میں شوقؔ — بخدا تم کمال کر بیٹھے

کیوں نقد دل کی تاک میں یہ صبح وشام ہے
دزد نظر سے کہدو کہ چوری حرام ہے
بکھرا کے زلف تم جو پھنساتے ہو مرغ دل
اس کا رہے خیال کہ اب وقت شام ہے
اللہ رے نازکی کہ وہ زلفوں سے کہتے ہیں
تم تھام لوکہ ہمیں قصد خرام ہے
اودرد اٹھ کہ دل میں اب آیا خیال یار
تعظیم چاہیئے کہ ادب کا مقام ہے
اللہ رے شوخیاں ترے ترک نگاہ کی
دل لے چکا ہے پھر بھی جگر کا پیام ہے
اٹکھیلیوں سے سب کو ملاتے ہو خاک میں
بولو تمہیں کہ یہ کوئی طرز خرام ہے
کب شوخیوں سے ایک جگہ تم کو ہے قرار
آنکھوں میں رہتے ہو کبھی دل میں مقام ہے
تم داستان دل نہ سنو کہدوبس چکے
اتنی سی بات کہنے میں قصہ تمام ہے
چھپ کر کہاں سے آتے ہیں آپ اے جناب شوقؔ
حضرت کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے

بال کھولے ہوئے اوناز سے چلنے والے
دل ہزاروں کے ہیں قابو سے نکلنے والے
اس ادا نے دم مرگ اور مجھے قتل کیا
کون تھے تم کف افسوس کے ملنے والے
رات غیروں میں جو پی ہے وہ کہو یا نہ کہو
آپ ہیں دیدۂ مخمور اوبلنے والے
دامن یار سے جا لپٹے ہمارے آنسو
گر کے اس طرح سنبھلتے ہیں سنبھلے والے
تیری رفتار سے مردوں میں پڑی ہے ہلچل
دیکھ اے گور غریباں کے ٹہلنے والے
ہاتھ سینے سے ہٹا یا کہ قیامت آئی
دل جگر دونوں ہیں دو ہاتھ اوچھلنے والے
اک تمہیں تھے کہ انہیں آ کے نکالا شب وصل
ورنہ ارمان تھے کب دل سے نکلے والے
ہجر میں ان سے طبیعت تو بہل جاتی ہے
غم بلا سے ہیں کلیجا مرا ملنے والے
رنگ چہرے کا مرے یار کے تیور اے شوقؔ
ہیں زمانے کی طرح دونوں بدلنے والے

سوز غم سے آبلہ اپنا دل تفتیدہ ہے
اور سارا جسم شکل موئے آتش دیدہ ہے
کار گر کیا مرہم کافور ہو اے چارہ گر
زخم دل شوق محبت سے نمک پاشیدہ ہے
قدر نیلم کیوں نہ ہو جائے خزف پاروں سے کم
جس کو دیکھو محو دندان مسی مالیدہ ہے
کر دیا ہے آتش فرقت نے کس کس کو کباب
چشم ہے گریاں تو بریاں یہ دل تفتیدہ ہے
تاب دیدار جمال یار ہی مجھ میں نہیں
وصل کا سودا عبث سر میں مرے بے چیدہ ہے
مثل سنبل ایک الجھن میں پڑا رہتا ہوں میں
جب سے میرا دل اسیر کاکل ژولیدہ ہے
گلشن رخسار جاناں میں نہیں خط جلوہ گر
صورت سبزہ نگاہ عاشقاں روئیدہ ہے
موسم گل ہے اکڑتے ہیں جوانان چمن
آہ محبوس قفس اک بلبل شوریدہ ہے
کر تجسس گوہر مقصود مل جائیں گے شوقؔ
دل کے ویرانے میں گنج معرفت پوشیدہ ہے

ہوا جب جل کے سرمہ بڑھ گئی توقیر پتھر کی
کیا چشم بتاں میں گھر زہے تقدیر پتھر کی

کیا کہسار میں جب نالہ خارا شکن میں نے
سلیں اوڑ اوڑ گئیں صدمے سے دودو تیر پتھر کی

ہوئے آوازۂ گوش بتاں یا قوت کے بندے
خدا کی شان ہے چمکی عجب تقدیر پتھر کی

گرے گا قصرتن جب ایک دن سنگ حوادث سے
عمارت منعمو کرتے ہو کیوں تعمیر پتھر کی

مٹائے نقش جوراس بت کی لوح دل سے اشکوں نے
تعجب ہے کہ پانی سے مٹی تحریر پتھر کی

نہ سمجھا کوہکن بربادی یکتائی شیریں
تراشی بیستوں پر جابجا تصویر پتھر کی

دھوئیں اس کے اڑادے آہ سینے سے اگر کھینچوں
جو ہو سقف فلک بالفرض والتقدیر پتھر کی

صدائے تیشہ تھی اے کوہکن ڈھونڈتا ہے کیوں پتھر
لہو میں تجکو نہلائے گی جوئے شیر پتھر کی

نہایت کاوش دل سے جو میں نے یہ غزل لکھی
زمین شعر میں اے شوقؔ کی تعمیر پتھر کی

ترے دروازے میں ہے اے پری زنجیر لوہے کی
کریں کیونکر نہ دیوانے تری توقیر لوہے کی
دل شوریدہ کی تدبیر پہلے چارہ گر کر لے
پنھا پھر دست و پا میں ہتھکڑی زنجیر لوہے کی
بنایا غیرت مجنوں مجھے لیلائے گیسو نے
نہو کیوں دست وپامیں ہتھکڑی زنجیر لو ہے کی
پڑا آئینہ فولاد عکس رخ خودبیں
دل روشن سے میرے بڑھ گئی توقیر لوہے کی
بہار آتے قفس سے ہم پہنچ جائیں گے گلشن میں
پھڑک کر تیلیاں توڑیں گے بے تا خیر لوہے کی
مرا لوہا عدوے سنگدل نے جان سے مانا
جو دیکھی دیدۂ انصاف سے تحریر لو ہے کی
مرا جوہر بھی دیکھیں شوق جو ارباب بینش ہیں
بدل دیتا ہوں میں چاندی سے اب تقریر لوہے کی

ہجر سے اب ہے یہ حالت میری　　مرگ کرتی ہے عیادت میری
دل کو وہ چاہیں مجھے رشک آئے　　اف رے میں اور رقابت میری
دل سے پیکان جو نکلتا ہی نہیں　　یہ بھی ہے کیا کوئی حسرت میری
اس کے در سے نہیں اٹھنے دیتی　　خوب کام آئی نحافت میری
چیز میری تھی تمہیں کیا ناصح　　دل دیا اس کو طبیعت میری
جان دیدوں اسے دل کیا شئے ہے　　مفلسی میں ہے یہ ہمت میری
ہوں وہ غم دوست مری میت پر　　خاک اوڑائے گی مصیبت میری
سر سے اک دم کبھی ٹلتی ہی نہیں　　کیا بلا ہے شب فرقت میری
جس کو صرصر نے بجھایا ہے شوقؔ　　ہوگی شمع سر تربت میری

جو کی زیب گلو اس شوخ نے زنجیر چاندی کی
ہوئی کندن سے بھی بڑھ کر کہیں توقیر چاندی کی
یہاں تک محو اے قاتل ہوئے شوق شہادت میں
کہ ہم سمجھے ہلال عید کو شمشیر چاندی کی
تجھے ایسا حسین اے سیم تن پایا کہ ہم سمجھے
ڈھلی ہے نور کے سانچے میں یہ تصویر چاندی کی
پسند دل ہوئی ہے جب حسینوں کو پئے زیور
قیامت تک رہے گی عزت و توقیر چاندی کی
ملا یہ نسخہ نایاب حال کیمیا گر سے
رہا مفلس جسے ہے حرص دامن گیر چاندی کی
مجھے دل سے بتان سیم تن کی کیوں نہ ہو خواہش
محبت ایک عالم کو ہے دامن گیر چاندی کی
بڑھاؤ قدر و قیمت اور سونے کی غزل لکھ کر
بہت اے شوقؔ بنتیں کر چکے تحریر چاندی کی

ہوں دل سے نثار یار جانی اتنی ہے فقط مری کہانی
ملئے غیروں سے چھپ کے ملئے ہے ساتھ ہمارے بدگمانی
عاشق سے حجاب اے مری جان چھوڑو بھی کہیں یہ لن ترانی
جب سن چکے مجھ سے وہ مرا حال بولے کس کی تھی یہ کہانی
جو جو بڑھتی گئی محبت بڑھتی گئی اور بدگمانی
غیروں کی طرح ہمیں بھی سمجھے کی آپ نے خوب قدردانی
کیوں کرتی ہے روح بے وفائی کیا ہے یہ مزاج یارجانی
کس طرح مٹائیں داغ الفت ہے یہ غم یار کی نشانی
احباب ہیں شوقؔ سن کے بے تاب کر ختم یہ دل کی نوحہ خوانی

اس نے اُدھر جو ناز سے ترچھی نگاہ کی
بے اختیار میں نے ادھر دل سے آہ کی
آنسو اوبل کے آنکھوں میں پھر خشک ہوگئے
اس مدوجزر نے مری کشتی تباہ کی
گھبرا گئے وہ داور محشر کے سامنے
فریاد سن کے میرے دل داد خواہ کی
اف اف زبان پر ہے وہ گھبرائے جاتے ہیں
تکلیف انہیں ہوئی یہ غضب میں نے آہ
افتادگان خاک کو ٹھکراتے ہو عبث
شوخی بھی اک ادا ہے مگر راہ راہ کی
میں مانتا ہوں آپ کے دزدنگاہ کو
مجکو تو کچھ خبر نہ ہوئی دل میں راہ کی
آباد دل کو میرے اوجاڑا رقیب نے
کی قدر خوب اس نے ترے جلوہ گاہ کی
شوقؔ اور ہی خیال میں رہتا ہوں رات دن
پاتا ہوں پیاری شکل جو میں مہرو ماہ کی

فکر ابھی سے ہے جو گھر جانے کی
کیا ضرورت تھی اجی آنے کی
دل بشکستہ ہے یوں پہلو میں
جیسے مسجد کسی ویرانے کی
خاک سر پر ہے پھٹے ہیں کپڑے
ہے یہ حالت ترے دیوانے کی
چشم مخمور کا تھا یہ ایما
راہ لی میں نے جو مے خانے کی
دل مرا ہجر میں گھبراتا ہے
کوئی صورت نہیں بہلانے کی
زلف پر پیچ جو تم کھولے ہو
فکر ہے کیا میرے الجھانے کی
کچھ مزا اور ہی دیتی ہیں شوقؔ
باتیں بہکی ہوئیں مستانے کی

قصائد

شوق نیموی نے اردو فارسی دونوں زبان میں قصیدے کہے ہیں۔ اردو زبان کا ایک نعتیہ قصیدہ ملاحظہ ہو۔ جو عشق رسول کا بہترین ترجمان ہے۔

اللہ رے یہ جلوۂ حسن و جمال عید
چمکا برنگ ابروئے خوباں ہلال عید

آنکھیں جو شام سلخ کو تھیں سوئے آسمان
کرتے تھے روزہ دار خدا سے سوال عید

وہ جابجا گھٹا وہ ہلال اور وہ نجوم
دیتے تھے لطف گیسو وابرو و خال عید

آئی جو باغ دہر میں ناز و ادا کے ساتھ
ایام رنج و غم کے ہوئے پائمال عید

گھونگھٹ الٹ کے جذبۂ دل نے دکھا دیا
مانند نو عروس رخ بے مثال عید

ہم پہلوئے مہ رمضان شریف ہے
اب اس سے بڑھ کے چاہتے کیا ہو کمال عید

امسال لو قران سعیدین بھی ہوا
یعنی کہ روز جمعہ نے پایا وصال عید

توپیں کہیں چلیں تو کہیں نوبتیں بجیں
اللہ رے یہ شوکت و جاہ و جلال عید

بولے فقیر جب قدح شیر بھر گیا
ہے چودھویں کا چاند یہ جام سفال عید

دل سے سنو کلام خطیب آج مومنو
اس سے نہ بڑھ کے ہوگی کوئی قیل و قال عید

آتا ہے اس میں ذکر جناب رسول کا
حسن بیان سے جن کے کھلا صاف حال عید

زلف سیاہ جن کی تھی شام شب برات
جن کی بہار صفحہ رخ تھی مثال عید

کرتے قیام خطبے میں جب وہ امام دین
آتی نظر بہار قد نونہال عید

نازاں نہ کیوں ہو یہ فرس چرخ تیز گام
عکس رکاب پاک ہیں دونوں ہلال عید

یوں ہے تصور رخ روشن بندھا ہوا
جس طرح آخر رمضان میں خیال عید

للہ اب تو خواب میں صورت دکھایئے
دم توڑتا ہوں ہجر میں اے نونہال عید

درگاہ رب میں شوق اٹھاؤ دعا کے ہاتھ
دست خمیدہ کو تو بناؤ ہلال عید

جب تک ہے اے خدا سحر و شام میں فراق
جب تک مہ صیام سے ہے اتصال عید

جب تک ہیں مہر و ماہ کے مطلع الگ الگ
جب تک کسی برس سے نہ ہو انفصال عید

ہر ملک میں ہو خطبہ اسلام کا رواج
نام نبی ہو غازۂ روی مقال عید

رحمت سے تیری روضۂ اقدس ہو باغ خلد
مداح خواب لوٹیں بہار جمال عید

شوق نیموی کے پیر و مرشد حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادی کی شان میں ان کا ایک والہانہ قصیدہ ملتا ہے جو حاضر خدمت ہے:

برنگ بو مری قسمت میں لکھی تھی جو عریانی
جنوں نے مجھ کو بخشی مثل گل صد چاک دامانی
پھرا کرتا ہوں میں وحشت زدہ دن رات صحرا میں
فلک کی طرح گردش ہے، نہیں ممکن تن آسانی
کبھی سر پر بگولے ہیں کبھی شاخیں ببولوں کی
یہ زریں سائباں ہیں اور وہ چتر سلیمانی
شکست رنگ عارض نے جو رنگ اپنا جمایا ہے
برستی ہے مرے دیوار تن سے آج ویرانی
اگر میں جوش وحشت میں نکل جاتا ہوں راتوں کو
چراغ راہ بن جاتا ہے ہر غول بیابانی
مری بے برگیاں جب رنگ روپ اپنا دکھاتی ہیں
چمن کے زرد پتے کرتے ہیں مجھ پر زرا فشانی
مرے ارمان سب یوں بند ہیں غم خانۂ دل میں
مقید گوشۂ تاریک میں ہوں جیسے زندانی
کھلے ہیں داغ سینے میں بھرے ہیں اشک دامن میں
مرے دم سے پھلی پھولی ہے کشت غم کی دہقانی
مری دل بستگی کھولیں گی اک دن باغ کی کلیاں
کہے گی زلف سنبل موبمو میری پریشانی

اگر یونہیں برابر زخم دل اس کے رہے پیاسے
بکے گی آگ کے مول اک نہ اک دن آب پیکانی
خیال غیر کا کیا ہو گذر اس خانۂ دل میں
کیا کرتی ہے معشوق ازل کی یاد دربانی
جبیں سائی جو کی ہے آستان مقصد دل پر
چمکتا ہے قمر کی طرح میرا داغ پیشانی
ذباب حرص اگر بیٹھے مرے خوان توکل پر
کرے بال ہمارے رحمت یزداں مگس وانی
کھینچا ہے وادی ایمن کا نقشہ میری آنکھوں میں
نظر آتے ہیں کیا کیا جلوہ انوار یزدانی
کسی کا آفتاب داغ الفت کیا عیاں ہوگا
کہ شکل خیط ابیض ہے خط چاک گریبانی
نہیں ہے قدر میرے سامنے کچھ ساغر جم کی
مرے پہلو میں ہے خود شیشہ دل جام عرفانی
حسینان فسوں گر کی ادائیں کیا لبھائیں گی
کہ ہے پیش نظر حسن عروس نظم قرآنی
خطوط بوریا گو جسم پر اتو سمجھتا ہوں
کلیم فقر کو میں جانتاہوں خز سلطانی
بنایا ہے خدا نے دل مرا گنجینہ حکمت
مری نظروں میں ہے شکل بدیہی علم یونانی

مرا دست کرم رکتا نہیں ایثار سے دم بھر
لٹاتا ہوں ہمیشہ گوہر اسرار فرقانی
حدیث مصطفٰے سے ہے دہن پیمانۂ کوثر
زبان تر مری ہے موج بحر فقہ نعمانی
مرے نور یقیں سے ہے شبستان جہاں روشن
برنگ شمع کافوری سراپا دل ہے نورانی
میں یکتائے زمانہ ہوں فصاحت میں بلاغت میں
مرے آگے نہیں چل سکتی کچھ سحبان کی سحبانی
کیا کرتا ہے صید اکثر غزالان معانی کو
مرا کلک رواں ہے یا کوئی شیر نیستانی
مرے دیوان کا ہے نقطہ نقطہ لولو سے لالہ
مرے خامے میں شکل ابر نیساں ہے درافشانی
مرے اشعار گوہر بار پر ہے فخر عالم کو
مری طبع رسا پر ناز کرتی ہے سخندانی
پھڑک اٹھتا ہے جو سنتا ہے میری نظم دلکش کو
وہ سامع لکھنوی یا دہلوی ہو یا ہو ملتانی
میں عاشق بھی ہوں ناصح بھی ہوں شاعر بھی ہوں وحشی بھی
مری باتیں ہیں بڑ مجذوب کی صورت ہے دیوانی
نہ سمجھے میرے ہمدم بھی یہ سودا مجھ کو کس کا ہے
کس نے آج تک میری حقیقت کچھ نہ پہچانی

ابل پڑتا ہوں مثل چشم گریاں جوش الفت میں
جناب فضل رحمٰن کا ہے مجھ کو عشق پنہانی
خدا نے حسن صورت حسن سیرت جن کو بخشا ہے
نگاہ معرفت بیں میں نہیں جس کا کوئی ثانی
شہ ملک حقیقت بادشاہ کشور معنی
امام علم و دیں پیر طریقت شیخ ربانی
مہ برج شریعت آفتاب چرخ یکتائی
چراغ نقشبند و شمع بزم شیخ جیلانی
سخن سنجی جو فیاض ازل نے مجھ کو بخشی ہے
مناسب ہے جماؤں آج میں رنگ گل افشانی
یہ میدان سخن ہے گو جواب عرصہ محشر
سمند فکر کی اپنے دکھا دوں پھر بھی جولانی
ادب سے آئیں رحمت کے فرشتے میری محفل میں
کہ میں کرتا ہوں اپنے پیرو مرشد کی ثنا خوانی
امنگوں پر طبیعت ہے سناتا ہوں میں وہ مطلع
کہ سنتے ہی پھڑک اٹھے لحد میں روح خاقانی

مطلع ثانی

جناب فضل رحمٰن پر ہوا جب فضل رحمانی
دل اقدس بنا آئینہ اسرار ربانی
خدا نے آپ کو آئینہ قدرت بنایا ہے
نظر آتی ہے جس میں شان حسن صنع یزدانی
توجہ آپ کی جس پر ہوئی وہ ہوگیا کامل
اگر تھا ذرہ آسا بن گیا خورشید عرفانی
مسخر کر لیا دم میں پری زادان معنی کو
سویدائے دل پر نور ہے مہر سلیمانی
اگر دیکھے عرق ہائے جبین پاک کے قطرے
ندامت سے ہو پانی پانی آب درعمانی
جو بیٹھے آپ کے حلقے میں اطمینان دل پائے
حضور فضل رحمٰن کیا چلے افسون شیطانی
اگر چاہیں سلاطین جہاں پر ہو شرف حاصل
کہو خاقان و قیصر سے کریں حضرت کی دربانی
سریر آرائے اقلیم ولایت وہ ہوئے جب سے
ملا ہے بوریا کو پایہ اورنگ سلطانی
فضائے کوچۂ رشک ارم کے آگے محشر میں
خدا جانے مجھے بھائے نہ بھائے باغ رضوانی

گہر بھی پانی پانی ہیں وہاں کے سنگ ریزوں سے
خزف پاروں سے ہیں خونیں جگر لعل بدخشانی
پئے مہماں نوازی خوان نعمت وہ بچھایا ہے
کہ جس پر گیسوؤں سے حوریں کرتی ہیں مگس رانی
جو لذت آپ کی نان جو میں سے دل کو ملتی ہے
نہیں ممکن کہ بخشے بادشہ کا خوان الوانی
تصور کرتے ہی دم بھر میں روشن خانۂ دل ہو
تعالیٰ اللہ کیا ہی چہرۂ اقدس ہے نورانی
دہن قفل در معنی ہے دل گنجینہ عرفاں
زبان پاک مفتاح نکات نظم قرآنی
کرم میں بحر مواج آپ کی طبع مصفا ہے
سراپا موج دریائے عطا ہے چین پیشانی
ہوئے سیراب لاکھوں اک نگاہ لطف پرور سے
پلائے سیکڑوں پیاسوں کو اپنے جام عرفانی
مگر میں خوبی قسمت سے اب تک رہ گیا پیاسا
نہ بخشا مجھ کو خضر معرفت نے آب حیوانی
یہاں تک سوزش دل سے لگی ہے آگ سینے میں
کہ مثل آب گوہر ہو گیا خشک آنکھوں کا پانی
تری دریا دلی کا ہے بہت کچھ شور عالم میں
ادھر بھی کچھ کرم ہو اے سحاب فضل رحمانی

توجہ سے تری بن جاؤں گا میں لجہ دریا
دکھائے گا مرا دامن بہار موج طوفانی
سمند فکر کو سرپٹ کہاں تک شوقؔ ہانکو گے
قیامت تک نہ ہوگا طے یہ میدان سخن دانی
اٹھاؤ ہاتھ اب بہر دعا حسن عقیدت سے
کہ ہو گلگونہ رخسارۂ مدح و ثنا خوانی
الٰہی بارگاہ لم یزل میں تیری آیا ہوں
کہ ہے درگاہ تیری مرجع ہر قاضی و دانی
بحق احمد مرسل شفیع عرصۂ محشر
امام انبیاء فخر رسل سر خیل عدنانی
بحق حضرت بوبکر صدیق امام حق
بحق حضرت سلمان گل باغ مسلمانی
بحق قاسم علم حقیقت حضرت قاسم
حفید حضرت صدیق و در بحر سلمانی
بحق جعفر وہم بایزید قطب بسطامی
بحق بوالحسن پیر طریقت شیخ عرفانی
بحق بوعلی فارمد پیر جہاں آرا
بحق حضرت یوسف ابویعقوب ہمدانی
بحق غجدوانی خواجہ عبدالخالق کامل
بحق حضرت عارف در دریائے عرفانی

بحق محمود ذی الخیر آسمان رفعت
بحق حضرت خواجہ عزیزان کان ایقانی
بحق حضرت بابا بہار گلشن عرفان
بحق شاہ امیر خسرو ملک ہمہ دانی
بحق نقشبند علم و دین خواجہ بہاء الدین
بحق حضرت خواجہ علاء الدین حقانی
بحق حضرت یعقوب چرخی مہر چرخ دیں
بحق حضرت خواجہ عبیداللہ یزدانی
بحق حضرت خواجہ محمد زاہد کامل
بحق حضرت درویش شاہ ملک ایمانی
بحق خواجگی وخواجہ عبدالباقی عارف
بحق شیخ احمد زبدۃ الاقطاب ربانی
بحق خواجہ معصوم و بحق شیخ ابوالقاسم
محمد نقشبند نخل بند باغ ایشانی
بحق حجتہ اللہی زبیر خواجہ عالم
بحق حضرت خواجہ ضیاء اللہ یزدانی
بحق حضرت آفاق شاہ کشور معنی
بحق مرشد حق فضل رحمٰن شیخ لاثانی
یہی ہے التجا میری تری درگاہ عالی میں
طلسم آسا رہے جب تک بقائے عالم فانی

رہیں جب تک فلک پر قطب دونوں ساکن وثابت
رہے جب تک فساں کی طرح دور چرخ گردانی
مہ و انجم فلک پر شمع ساں جب تک رہیں روشن
رہے خورشید عالم تاب میں جب تک درخشانی
گلوں کا گلشن ایجاد میں جب تک رہے جوبن
رہیں جب تک ترنم ریز مرغان گلستانی
گل افشانی رہے جب تک مرے اشعار رنگین کی
رہے آویزۂ گوش جہاں جب تک ثناخوانی
جناب پیرو مرشد کا مرے سر پر رہے سایہ
رہے جاری ہمیشہ بحر فیض فضل رحمانی

قصیدہ نواب منگرول کی شان میں

مجکو خلاق معانی نے دیا ہے وہ کمال
نکلے جو بات مرے منہ سے وہ ہو سحر حلال
عرش پرواز ہے شہباز تفکر میرا
لامکاں دم میں پہنچتا ہے مرا مرغ خیال
موشگافی جو دکھاتا ہے مرا شانۂ فکر
کھینچتا ہے کمر یار کے بھی بال کی کھال
زلف جانان کے جو مضمون سے الجھ جاتا ہوں
ختم ہوتا ہی نہیں سلسلۂ حسن مقال
گفتگو کچھ دہن تنگ میں آجائے اگر
نکتہ بینوں کی زبان صورت تصویر ہو لال
سنتے ہی میری غزل رند پھڑک اٹھتے ہیں
صوفیوں کو مرے اشعار سے آجاتا ہے حال
کچھ عجب رنگ کا ہوتا ہے مرا حسن کلام
غیر پیدا کرے یہ طرز سخن ہے یہ محال
میری تحقیق کا ہر فن میں ہے وہ پایہ بلند
طائر وہم ہے اڑنے سے جہاں بے پر و بال
جب مرا سینہ ہے گنجینہ علم حکمت
گفتگو مجھ سے کرے آکے یہ ہے کس کی مجال

نطق سے میرے عیاں ہوتے ہیں راز منطق
میرے آگے نظری میں بھی ہے بدیہی کی مثال
نظم میں نثر میں یکتائے زمانہ ہوں میں
علم میں فضل میں آپ ہی میں اپنی مثال
دخل بے جا سے نکالے کوئی گو دل کا غبار
میرے آئینہ دل پر نہ پڑے گرد ملال
اپنے جوہر کو عیاں کیوں نہ کروں میں اس دم
قدر داں ہے مرا نواب خجستہ اقبال
والی خطہ منگرول معلیٰ القاب
حضرت شیخ حسین انجمن آرائے کمال
بدر اوج شرف و نجم سمائے رفعت
مرکز دائرہ عزت و شان اجلال
قطب گردون رضا منطقہ چرخ صفا
آفتاب فلک قدر و مہ برج کمال
آب و تاب گہر دیں در بحر اسلام
موج دریائے وقار و حشم و جاہ و جلال
جس کے انصاف سے ہے شان کریمی ظاہر
جس کے خدام کمر بستہ ہیں ہم پنجہ زال
کوئی ہے رشک نریمان تو کوئی غیرت شام
ہے کوئی مثل تہمتن تو کوئی گیو مثال
صف دشمن نہو کیوں درہم و برہم دم رزم
شیر کے آگے ٹھہر سکتے ہیں روباہ و شغال

کھینچے تلوار اگر میان سے وہ روز مصاف
ایک ہی وار میں ہو صاف صف جنگ و جدال
تیغ ابرو کو جو چمکائے تو چھائے یہ رعب
گر پڑے دست فلک سے مہ سیمیں کی ڈھال
کھینچوں کیا اسپ سبک گام کی اس کے تصویر
گرد کو اس کے پہنچتا نہیں رہوار خیال
اختر بخت ہے یا غرۂ پیشانی ہے
کاکل حور ہے یا سنبلہ یا اس کی ایال
خوش خرامی کا وہ عالم ہے کہ جس کے آگے
چوکڑی بھولتی ہے شوخی رفتار غزال
باتیں کرتا ہے ہو اسے جو ہوا ہوتا ہے
فرس چرخ بھی ہے تنگ غضب کی ہے چال
دیکھ کر قصر فلک رتبہ کی شان رفعت
اپنے ہی آگ میں جلتے ہیں عدو مثل خیال
آتش رشک سے جلتا ہے جو اس کا دشمن
سینہ ہے صورت مجمر جگر و دل ہیں زکال
بارگاہ اس کی نہ ہو کیوں کملا سے معمور
قدردانی میں ہے اس کی کشش اہل کمال
اس کے کوچے میں فقیروں کی رہا کرتی ہے بھیڑ
مثل حاتم ہے وہ فیاض لٹاتا ہے مال

محفلِ شعر و سخن میں ہو اگر رونق بخش
دست ہمت سے زلالی کو بھی دے جام زلال
سایۂ قامت موزوں سے جودی ہے تشبیہ
سرو پھولے ہی سماتے نہیں کیا کیا ہیں نہال
طائرِ سدرہ نہ پھنس جائے کہیں پھندے میں
خالِ رخ دانے ہیں گیسوئے مسلسل ہیں جال
پر تو رخ سے چمکتا ہے یہ روز روشن
عکس گیسوئے معنبر ہے شب لطف وصال
اس کے ابرو کے جو ہیں داغ محبت دل میں
بدر کاہیدگی عشق سے بنتا ہے ہلال
مردم چشم حسینان ہیں مہاسے اس کے
ہے سویدائے دل حور مقرر ہر خال
دیکھ لے وہ نظر خشم و غضب سے جو کہیں
تیرمژگاں سے بنے سینۂ دشمن غربال
ہیں خطوط کف فیاض کرم کی نہریں
منبع فیض ہے دل طبع رسا بحر نوال
واہ رے جوش سخا بھر دے دامن زر سے
ابھی لب تک بھی نہیں لائے گدا حرف سوال
ہند میں جوش سخاوت کی ہے اس کے اک دھوم
کاٹھیاوار سے مشہور ہے وہ تا بنگال

شوق اب بہر دعا ہاتھ اوٹھاؤ دل سے
پیش درگاہ خداوند علیم الاحوال
یا الٰہی رہے جب تک چمن دین شاداب
جب تک اسلام کا یارب رہے سرسبز نہال
پھولتے پھلتے رہیں نخل تمنا اس کے
بڑھتی جائے شجر عمر کی اس کے ہر ڈال
غنچۂ خاطر عالی رہے خنداں ہر دم
رہے سبزے کی روش دشمن سرکش پامال
جب تک انجم میں رہے نور فلک میں گردش
رہے خورشید میں جب تک یہ ترقی و زوال
ماہ و دولت کو رہے اس کے عروج کامل
رات دن اس کا چمکتا رہے مہر اقبال

قصیدہ نواب ڈھاکہ کی شان میں

گیاجو آج میں سیر چمن کو وقت سحر
نسیم صبح گلے ملنے آئی خوش ہوکر
اٹھا کے آنکھ جو میں نے ادھر ادھر دیکھا
ہرا بھرا نظر آیا مجھے چمن یکسر
عروس باغ نے پہنے تھے پھولوں کے گہنے
گل و سمن تھے طلائی و نقرئی زیور
گلے میں موتیوں کے ہار موتیا کے پھول
بنے تھے کان کے بندے بھی لالۂ احمر
روش کے سبزۂ نوخیز پر جو شبنم تھی
گہر فشاں نظر آئی زمردیں چادر
برنگ زلف مسلسل تھے سنبل پیچاں
مسی کا رنگ جما تھا زبان سوسن پر
نہال سب تھے نہال اور گل تھے سب خنداں
ستادہ سرو صنوبر تھے باندھے اپنی کمر
یہ رنگ دیکھ کے بلبل کی طرح حیرت تھی
مثال آئینۂ حیراں تھا دل مضطر
کہ گل کھلا ہے یہ کیسا ریاض عالم میں
بہار دہر ہے کیوں ایسی آج جاں پرور

چٹک کے غنچوں نے دی مجھ کو یہ مبارکباد
کہ میرے دل کی گرہ جس سے کھل گئی یکسر
وہ خواجہ جو چمنستان شرع کی ہے بہار
وہ خواجہ ہے جو طریقت کے باغ کا گل تر
وہ خواجہ ہے جو دل و جان سے حامی اسلام
وہ خواجہ ہے جو فدا اپنے مذہب حق پر
وہ خواجہ خوبی و الطاف کا جو ہے دریا
وہ خواجہ جو صدف حسن خلق کا ہے گہر
وہ خواجہ جس کی سخاوت کی دھوم ہے ہر سو
وہ خواجہ جس کا ہے احسان ایک عالم پر
وہ خواجہ جس کا لقب حاتم زمانہ ہے
وہ خواجہ دست کرم جس کا ہے جہاں پرور
وہ خواجہ جو کملا کا ہے آج پشت و پناہ
وہ خواجہ آج جو ہے قدردان علم و ہنر
وہ خواجہ جس کی نگاہ عطا ہے گوہرریز
وہ خواجہ چین جبیں جس کی موج بحر ظفر
وہ خواجہ ہے جو سرخواجگان ہندستان
وہ خواجہ جس کا ہے بنگال میں نہیں ہمسر
وہ خواجہ جس سے ہے آباد شہر ڈھاکہ آج
وہ خواجہ جس کی حمایت میں خوش ہر ایک بشر

جناب خواجہ عالی گہر سلیم اللہ
خدا کا سایہ ہے جن کے سر مبارک پر
رئیس ابن رئیس ابن عمدۃ الروسا
عظیم قدر معظم حشم ہمایوں فر
جہاں نواز جو نواب احسن اللہ تھے
لقب تھا جن کا کے سی آئی ای تھے دین پرور
گورنمنٹ کے تھے دوست قوم کے ہمدرد
کھلا ہوا تھا در خیر جن کا شام و سحر
انہیں کے آپ ہیں فرزند ارجمند رشید
انہیں کے آپ ہیں نورنگاہ و لخت جگر
انہیں کے مسند عالی کے جانشیں ہیں آپ
انہیں کا آپ میں ہے رنگ خلق و بوے سیر
جناب خواجہ عبدالغنی جنان منزل
جہاں میں جن کے سخاوت کی دھوم ہے گھر گھر
خطاب جن کا بہادر کے سی ایس آئی تھا
تھا جن کے زیب سر نام تاج کلمۂ سر
انہیں کے آپ گرامی گہر نبیرہ ہیں
انہیں کے نور نظر کے ہیں آپ نورنظر
انہیں کے خون کا ہے جوش ہر رگ و پے میں
انہیں کی ہمت عالی کا آپ میں ہے اثر

وہ آج ہیں طرب افروز بزم روح افزا
انہیں کا جلوۂ رخسار ہے ضیا گستر
اسی خوشی میں سجا ہے بہار نے گلشن
اسی خوشی میں چمن باغ باغ ہے یکسر
اسی خوشی میں ہیں سب قمریاں ترنم ریز
اسی خوشی میں نہال آج ہے ہر ایک شجر
اسی خوشی میں ہیں طاؤس آج رقص کناں
اسی خوشی میں چہکتی ہیں بلبلیں یکسر
یہ سن کے مژدۂ جاں بخش دل پھڑک اٹھا
کہے یہ مدح کے اشعار اشک سلک گہر

مطلع ثانی

سحاب جود در فیض مہر چرخ ظفر ‏ ‏ سپہر جاہ و حشم کا جہاں فروز قمر
مہ سمائے سخا آفتاب اوج عطا ‏ ‏ فلک نشاں و معلّیٰ لقب کرم گستر
بہار باغ ریاست نہال گلشن دین ‏ ‏ حدیقۂ کرم بیکراں کا تازہ ثمر
جناب خواجۂ گردوں حشم سلیم اللہ ‏ ‏ رئیس ڈھاکہ و نواب معدلت پرور
بندھی ہے جس کی شجاعت کی ڈھاک کچھ ایسی ‏ ‏ کہ زال وسام کے بھی کانپتے ہیں قلب وجگر
دلیر ایسا کہ زہرہ ہے شیر کا پانی ‏ ‏ جری وہ ایسا کہ پیر فلک کو دے چکر
وہ جس کا اسپ سبک گام شوخ خوش رفتار ‏ ‏ نسیم صبح کی تیزی سے دو قدم بڑھ کر
سواری اس کی نکلتی ہے جب تزک کے ساتھ ‏ ‏ تو ساتھ رہتی ہے ہر دم جلو میں فتح وظفر
کھنچے جو میان سے شمشیر آب دار اس کی ‏ ‏ تو برق رعب سے تھرائے ہو تلے اوپر
کرے جو فیروہ بندوق شعلہ بار اپنی ‏ ‏ تو مارے خوف کے گاوِ زمیں کا شق ہو جگر
جو دیکھ لیں کہیں رخسار غیرت گلزار ‏ ‏ تو بلبلیں کبھی پھولیں نہ اپنے پھولوں پر
پسینہ اپنا جو پونچھے رخ منور سے ‏ ‏ چمن پر اوس پڑے زرد ہوں گل احمر
وہ جس کا قصر کرے آسماں سے باتیں ‏ ‏ وہ جس کی منزل احسن نشان ہے برج قمر
وہ جس کا باغ ہے عالم میں دلکشا مشہور ‏ ‏ بہار جس کی برنگ ارم ہے جان پرور
جواب گلشن ارژنگ چین ہیں نقش و نگار ‏ ‏ مکان ہے جھاڑ کنول لیمپ سے پری پیکر
سفیدی درو دیوار غازۂ خوباں ‏ ‏ صفا کچھ ایسی کہ آئینہ دیکھ کر ششدر
جو میل ہو سوے ترتیب بزم شاہانہ ‏ ‏ تو جشن جم سے بھی ساماں ہو کہیں بڑھ کر

فلک سے زہرہ اتر آئے وجد میں رقصاں
صدائے نغمہ سے مملو ہو پردۂ اخضر

بہار محفل رنگیں کچھ اور لائے رنگ
منائیں عید گلے مل کے شیشۂ و ساغر

ہزار شکر کہ یہ جاہ اور یہ حشمت
پھر اس پر آپ میں یہ زہد و اتقا کا اثر

مدام دل سے انہیں ہے رضائی حق مطلوب
ہمیشہ جلوۂ قدرت پہ آپ کی ہے نظر

جو دن کو نظم ریاست تو شب کو طاعت حق
خدا کی یاد سے غافل نہیں ہے دل دم بھر

یہ انکسار کا عالم ہے درگہ حق میں
فلک کی طرح ہمیشہ جھکا ہوا ہے سر

سپہر ہمت عالی کے سامنے ہے پست
نگاہ جود کے آگے خزف زرد گوہر

کہ وہیں حاتم دوراں زمانے میں مشہور
فقیر جاتے ہیں اس در سے اہل زر بن کر

حضور کی جو نگاہ کرم ہے تجھ پر شوق
برآئیں گے ترے دل کے بھی مدعا یکسر

زیادہ طول نہ دے آج نظم رنگیں کو
گراں نہ گزرے کہیں ان کی طبع نازک پر

اٹھا لے ہاتھ دعا کے لئے بصدق و صفا
یہاں جو لوگ ہیں آمین سب کہیں مل کر

ریاض دہر میں جب تک کھلا کریں کلیاں
عروس باغ کے جب تک ہیں پھول سب زیور

چمن میں نغمۂ بلبل ہے گل فشاں جب تک
بہار گلشن عالم رہے نسیم سحر

گلوں کی طرح رہے دل حضور کا خنداں
برنگ نکہت برباد ہوں عدو ابتر

رباعیات

شوق نیموی نے مختلف مواقع پر رباعیات کہی ہیں۔ جن میں حالات و واقعات کی صحیح اور سچی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ چند رباعیات حاضر خدمت ہیں:

شوق است تخلصم ظہیر احسن نام در قریۂ دلنواز نیمی ست مقام
شد از پۓ کیتم ابوالخیر الہام تاریخ تولدم ظہیر الاسلام

ہوتا ہے جو اب ذکر خدائے برتر کالج یہ نہیں آج خدا کا ہے گھر
ثابت ہے کلام نبوی سے اے شوق رحمت کے فرشتوں نے بچھائے ہیں پر

پٹنہ میں جو شوقؔ اہل ندوہ آئے کیا کیا برکات ساتھ اپنے لائے
دیکھو چھایا ہوا ہے ابر رحمت لاکھوں گھر مراد ہم نے پائے

ندوہ کی طرف سے آئے ہیں جو علما نائب ہیں رسول حق کے ہیں راہ نما
اسلام یہ پھیلائیں گے اک عالم میں چمکیں گے جس کے نورے ارض و سما

آیا ہے جو وفد ندوۂ ذی شوکت چھائی ہوئی ہے کیسی خدا کی رحمت
گھر بیٹھے مراد ہم نے پائی اے شوقؔ اللہ اللہ یہ ہماری قسمت

اسلام کا یہ رتبہ یہ وقعت یہ شان　　تکبیر وہاں جہاں بتوں کا استھان
یہ مجمع علم پاٹلی پتر میں ہو　　ہوتا جو اسد کا بھی تو لاتا ایمان

پٹنہ سے میں شہر چاٹگام آیا ہوں　　میں اپنے وطن سے سن کے نام آیا ہوں
اخلاق سے کیوں پیش نہ آئیں لوگ　　ایک دور جگہ سے لاکلام آیا ہوں

یہ شہر بھی ہے عجب خجستہ بنیاد　　کیا کہیے کہ ہو رہا ہے دل کتنا شاد
سر سبز ہیں باغ خلق اسلامی کے　　اس شہر کا نام بھی ہے اسلام آباد

اس گردش چرخ نے کیا کام تمام　　غفلت میں پڑی رہتی ہے قوم اپنی مدام
اے خواب گراں کے سونے والو اٹھو　　اب نام کو رہ گیا ہے باقی اسلام

افسوس وہ اسلام کی حالت نہ رہی　　وہ شکل وہ رنگ اور صورت نہ رہی
غفلت کے مرض سے ہو گئے دل کمزور　　اسلام کے کچھ کام کی ہمت نہ رہی

ہے قول یہ ہر عاقل و فرزانہ کا　　اقرار ہے اس امر پر ہر دانا کا
اسلام کا جلوہ جو نمایاں ہے یہاں　　ہے فیض جونپور کے مولانا کا

یہ جلسۂ وعظ ہے خدا کو مرغوب　　مجمع یہ ہے ملائکہ کو مرغوب
ہوتی ہے یہاں خدا کی رحمت نازل　　لوٹو اے مومنو بہار دین خوب

یہ بحر یہ موج یہ بھنور یہ منجدھار کشتی ٹوٹی ہوئی ہے سینہ ہے فگار
اے دین کے ناخدا دوہائی تیری اسلام کا بیڑا کہیں لگ جائے پار

افتادہ ہوں کب ہے سر اٹھانے کا خیال ناحق کچھ اور ہے زمانے کا خیال
ہوں نقش قدم میں آپ مٹ جاؤں گا کیوں چرخ کو ہے میرے مٹانے کا خیال

ایمان کا پاس کچھ خدا کا بھی ہے دھیان کعبہ کو بنا دیا بتوں کا استھان
کیا شوق چلے ہو وعظ کہنے کے لئے دل میں یاد بتاں بغل میں قرآن

اس کعبۂ دل میں جو خدا کا ہے مکان افسوس کہ رہتا ہے بتوں کا ارمان
اے شوقؔ جو کچھ کہئے تو بول اٹھتا ہے تو مان نہ مان میں ہوں تیرا مہمان

اشعار مرے نہیں یہ ہیں نالۂ و آہ پتھر کے دل میں بھی یہ کرتے ہیں راہ
اے شوق یہ اعجاز ہے گویائی کا بول اٹھتے ہیں بت بھی سبحان اللہ

اے شوق یہ چہرے کا اوترنا کیسا رہ رہ کے کسی کو یاد کرنا کیسا
مانا کہ کوئی اور سبب اس کا ہے لیکن یہ سرد آہ بھرنا کیسا

گھائل جو ہوں تیغ ابرو دلبر کا ہر لفظ میں رنگ ہے دم خنجر کا
ٹوٹے ہوئے دل سے جو صدا نکلے گی اے شوق کرے گی کام وہ نشتر کا

پہلے نگہ ہوش ربا نے لوٹا اس بت کے پھر انداز وفا نے لوٹا
اے شوقؔ رہا سہا مرا صبر و قرار کچھ ناز و ادا نے کچھ حیا نے لوٹا

اللہ اللہ عشق میں یہ کہنا ارمان کی طرح ان کے دل میں رہنا
غیروں کو سنا کے وہ کہا کرتے ہیں کس دل میں نہیں ہے شوق کیا کہنا

وحشت نے پٹک پٹک کے سر پھوڑ دیا ناصح نے سخت کہہ کے دل توڑ دیا
آخر نہ اٹھا بتوں کا بار غم عشق بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑ دیا

کس سوچ میں ہیں آپ یہ کیا حال ہے آج کیا کشور دل کیا کسی نے تا راج
آثار ملال ہیں جبیں سے ظاہر اے حضرت شوق کہئے کیسا ہے مزاج

عاشق وہی جس کے ہو لبوں پر دم سرد ہے عشق اسی کو جس کا چہرہ ہو زرد
شاعر وہی جس نے چوٹ بھی کھائی ہو ہے شعر اسی کا جس کے دل میں ہو درد

دل رکھتے ہیں کس طرح یہ گل رو چھوٹیں آنکھیں ہیں بہار کیوں نہ ان کی لوٹیں
ہاں اور نظر سے ہم نے دیکھا ہو اگر اے حضرت شیخ دونوں آنکھیں پھوٹیں

یہ کیا کہ رقیب ہی کے محفل میں رہو اے غیرت ماہ اپنی منزل میں رہو
تم نور نگاہ آرزو ہو میرے آنکھوں کبھی رہو کبھی دل میں رہو

پہلو میں تھا درد دل میں تھا داغ سیاہ   آنسو ہے اب آنکھوں میں لبوں پر ہے آہ
کیوں مجرم عشق میں نہ ٹھہروں اے شوق   پہلے دو تھے ہوئے یہ اب چار گوارہ

جب جور میں بھی شان ادا نکلے گی   ٹوٹے ہوئے دل سے آہ کیا نکلے گی
وہ کوسنے کو بھی جو اٹھائیں گے ہاتھ   اے شوق مرے منہ سے دعا نکلے گی

کرتے ہیں بہت لوگ چناں اور چنیں   ہر شخص سمجھتا ہے کہ شاعر ہیں ہمیں
ذی علم ہو کوئی یا زباں داں اے شوق   جب دل ہی نہیں پاس تو پھر کچھ بھی نہیں

کس فن میں نہیں ہے دخل کامل مجھ کو   ہیں جتنے علوم سب ہیں حاصل مجھ کو
پھر بھی نہ کبھی تعلیاں کیں اے شوقؔ   صد شکر دیا خدا نے وہ دل مجھ کو

شمشاد نے دی ہے ارجمندی مجھ کو   گلزار سخن میں سربلندی مجھ کو
تسلیم کے فیض سے جھکا ہے سر عجز   بھاتی نہیں کچھ بھی خود پسندی مجھ کو

آسان نہیں کچھ یہ زبان دانی ہے   یاروں نے حقیقت ہی نہیں جانی ہے
ہاتھ آئے ہمیں در سخن کچھ اے شوقؔ   برسوں جب خاک لکھنؤ چھانی ہے

گو چرخ کے پامال ستم ہیں ہم لوگ   صد شکر مگر اہل ہمم ہیں ہم لوگ
اے شوقؔ کسی سے نہیں دبنے والے   کس فن میں کسی غیر سے کم ہیں ہم لوگ

اب ملک سخن کی آبرو ہے پٹنہ مشہور زمانہ چار سو ہے پٹنہ
شوق اہل کمال کا یہاں مجمع ہے رشک دہلی و لکھنؤ ہے پٹنہ

—

ہے اہل کمال سے یہ پٹنہ آباد شاگرد کے شاگرد یہاں ہیں استاد
کامل ہیں یہاں کے سیکڑوں اہل سخن یہ ہیں وہ ہیں وہ شاد ہیں وہ آزاد

—

قطعات

شوق نیموی نے قطعات بھی کہے ہیں جو اردو و فارسی زبان میں ہیں۔ یہ قطعات کچھ تو مشاہیر کی وفات پر ہیں۔ زیادہ تر دیوان وکلیات کی طباعت پر کہے گئے ہیں۔ یہاں اردو کے چند قطعات نقل کئے جاتے ہیں۔ دیوان آغا حسین ازل لکھنوی کی طباعت کے موقع پر کہا:

مبارکباد اے ارباب معنی — یہ دیوان حکیم آغا حسن ہے
تخلص ہے ازل مشہور عالم — زمانہ جسکا مشتاق سخن ہے
زباں اچھی کلام اچھا نہ ہو کیوں — کہ شہر لکھنؤ ان کا وطن ہے
عجب دلکش ہے یہ گلزار رنگیں — کہ رشک لالہ و سرو و سمن ہے
بیان حال درد لذت آگیں — نوائے طوطی شکر شکن ہے
جواہر بیز ہے ہر شعر نایاب — ہر اک نقطہ مگر در عدن ہے
سواد خط ہے شام لیلتہ القدر — بیاض ہر ورق صبح چمن ہے
معطر ہے مشام نکتہ سنجاں — مداد عنبریں مشک ختن ہے
فروغ پر تو مہر سخن سے — خط جدول کہ سورج کی کرن ہے
بھرے ہیں زیور حسن معانی — مرصع نظم ہے یہ یا دولہن ہے
یہ لکھو مصرع تاریخ اے شوق — پسند خاطر ہر اہل فن ہے

۱۳۱۲ھ

سورج بھان میکش حیدرآبادی کے دیوان دوم کی طباعت پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

شفیق شوق سورج بھان میکش درخشاں آفتاب نکتہ دانی
نشاط افزائے بزم بذلہ سنجاں قدح نوش مئے شیریں زبانی
گل رنگیں گلزار فصاحت بہار افروز باغ خوش بیانی
ہوا دیوان دوم ان کا جب جمع پسند خاطر اہل معانی
یہ لکھا مصرع تاریخ میں نے ہے واں رتبہ کا دیوان ثانی

۱۳۱۱ھ

سید نذر الرحمٰن حفیظ عظیم آبادی کے دیوان کی طباعت پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

میرے مشفق شفیق ہمدم نذر الرحمٰن حفیظ ذی شان
ممتاز زمانہ ماہر فن یکتائے جہاں فصیح دوراں
سرخیل سخنوران نامی سر دفتر اہل علم و عرفاں
ان کا دیوان چھپ گیا آج جس کے مشتاق تھے سخنداں
سبحان اللہ جس کا ہر شعر رنگین ہے برنگ لعل جاناں
ہر حرف سواد شام گیسو ہر لفظ بہار صبح خنداں
کیسے کیسے بلند مضمون کیا کیا معنی ہیں صورت جاں
مصرع مصرع ہے سلک گوہر نقطہ نقطہ ہے در غلطاں
اس کی تاریخ شوق لکھو چیدہ در نظم ہے یہ دیواں

۱۳۱۷ھ

منشی نعیم الحق مشیر کی مثنوی کی طباعت پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

مثنوی کیا مشیر نے لکھی کھینچی ہے حسن و عشق کی تصویر
ہے حسینوں کو جان سے مرغوب دل سے بھاتی ہے نظم پرتاثیر
چوٹ کھائے ہوئے دلوں کے لئے نوک نشتر اسے کہوں یا تیر
اس کی طرز بیاں ہے سب کو پسند ہوں حسن یا نسیم یا ہوں میر
شوقؔ لکھو یہ مصرع تاریخ ہے پسندیدہ مثنوی مشیر

۱۳۰۶ھ

ممتاز احمد ممتاز تھانوی کے نعتیہ دیوان کی طباعت پر یہ تاریخی قطعہ کہا:

نہ کیوں مقبول عالم ہو یہ دیوان گل نعت رسول انس وجاں ہے
مشام قدسیاں تک ہے معطر یہ وہ مجموعہ عنبر فشاں ہے
ڈھلا ہے نور کے سانچے میں ہر شعر عجب حسن معانی و بیاں ہے
غضب کے ہیں اشارات و کنایات سمجھتا ہے وہی جو نکتہ داں ہے
کہی اے شوق میں نے اس کی تاریخ کلام شاعر شیریں زباں ہے

۱۳۰۷ھ

مصادر و مآخذ

۱. یادگار وطن : ۲۷، ۳۵، ۴۱ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۴۱-۴۴

۲. یادگار وطن : ۲۹-۳۰ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۴۴-۴۵

۳. یادگار وطن : ۳۳ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۴۶

۴. یادگار وطن : ۵۰ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۴۹

۵. یادگار وطن : ۱-۶ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۴۹-۵۰

۶. یادگار وطن: ۵۰ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۵۰-۵۱

۷. یادگار وطن: ۳۵ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۵۲-۵۵

۸. یادگار وطن: ۵۳ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۵۷-۵۸

۹. یادگار وطن: ۵۴ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۵۹-۶۰

۱۰. یادگار وطن: ۵۸ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۶۳-۶۴

۱۱. یادگار وطن: ۵۸ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۶۴

۱۲. یادگار وطن: ۶۸-۶۹ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۶۸-۶۹

۱۳. یادگار وطن: ۶۳ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات : ۷۲-۷۳

۱۴. یادگار وطن: ۷۰ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۴-۷۶

۱۵. یادگار وطن: ۵۹ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات ۶۶

۱۶. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۶

۱۷. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۷ یادگار وطن: ۱۱۹

۱۸. یادگار وطن: ۱۲۰ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۷

۱۹. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۸

۲۰. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۷۸-۸۳

۲۱. یادگار وطن: ۱۱۶ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۸۴

۲۲. یادگار وطن: ۱۱۶-۱۱۹ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۸۴-۹۴

۲۳. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۹۴-۹۸: آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ۲۴۱-
۲۴۲، القول الحسن: ۱۰۷ از مجلّہ تحریر ۱۹۶۸ء

۲۴. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۹۸-۱۰۰: خم خانۂ جاوید ۶۱۸/۳: ندیم بہار نمبر ۱۹۳۵ء

۲۵. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۱۰۱-۱۰۲: نقوش لاہور شخصیات نمبر ۱۹۵۶ء
اشارہ، پٹنہ دسمبر ۱۹۵۸ء: تذکرہ مسلم شعرائے بہار ۳/۶۷-۸۴

۲۶. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۱۰۲: جریدہ نقیب، پھلواری شریف، ۲۰ شعبان ۱۳۷۹ھ

۲۷. ازاحۃ الاغلاط: ۱۲ علامہ شوق نیموی - خیات و خدمات: ۱۷۳

۲۸. ازاحۃ الاغلاط: ۱۱ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۱۷۴

۲۹. اصلاح: ۱۹ علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۱۸۶

۳۰. علامہ شوق نیموی - حیات و خدمات: ۲۱۷

حواشی

۱۔ نیمی (بروزن دہلی) پٹنہ ضلع کی ایک نہایت قدیم اور معروف بستی ہے جس کو آباد ہوئے کئی سو برس ہوگئے یہ پٹنہ شہر سے پورب دکھن جانب تقریباً ۲۸ کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہاں ہندو مسلم دونوں قومیں رہتی ہیں علامہ شوق نیموی کی حیات تک یہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندو مسلم فساد ہوا تو کچھ مسلمان تو شہید ہوئے بقیہ مسلمان پٹنہ شہر یا دوسری جگہ منتقل ہوگئے یا پاکستان چلے گئے۔ آج کل وہاں غیر مسلموں کی آبادی زیادہ ہے۔ مسلم گھرانوں میں اب صرف پانچ چھ خاندان کے لوگ باقی رہ گئے ہیں۔ جن میں علامہ شوق نیموی کے گھرانے کے کچھ افراد شامل ہیں۔

۲۔ علامہ شوق نیموی۔ حیات وخدمات: ۲۱۴۔۲۲۳

Shauq Nimvi

Bihar Urdu Academy, Patna